اقبال اور تصوّرِ عبدیت

مؤلف
سالک بلال

میزان پبلشرز

1308

اقبالؔ اور تصوّرِ عبدیت

مؤلف

سالکؔ بلال

ایم۔اے اسلامیات (بی۔ایڈ)
کشمیر یونیورسٹی (ڈپلوما فارسی)

ماسٹر کاپی تصحیح شدہ

اجرا شدہ مورخہ ۱۵ نومبر ۲۰۱۱ء
بروز منگل از دست پروفیسر عبدالواحد
وائس چانسلر سنٹرل یونیورسٹی کشمیر
و صدر شعبہ اقبالیات ڈاکٹر پروفیسر
بشیر احمد نحوی۔
مقام اجرائی - گاندھی بھون کشمیر یونیورسٹی
حضرت بل اقبال انسٹیٹیوٹ آف
کلچر اینڈ فلاسفی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

عالمی معیاری کتاب نمبر
ISBN -978-93-80691-25-1

نام کتاب: اقبال اور تصور عبدیت
مولف: سالک بلال
سال اشاعت ۲۰۱۱
کمپوزنگ سالک بلال
سرورق: فیض احمد
قیمت: ۲۰۰ (طلبہ ایڈیشن)
۳۰۰ (لائبریری ایڈیشن)

ناشر

میزان پبلشرز

Title Iqbal Aur Tasawur-e-Abdiyat
Athar SalikBilal
Price: 200/- Student Edition
300/- Liberary Edition
Publishers Meezan Publishers

Opp. Fire & Emergency Services Hqrs
Batamaloo Srinagar 190009 Kashmir
Ph: 2470851 Fax- 0194-2457215 Cell: 9419002212
Email- meezanpublishers@rediffmail.com

زیر اہتمام
شبیر احمد

انتساب

میں اپنی اس حقیر کاوش کو بالخصوص ماسٹر غلام نبی وانی جو کہ میرے معلّم رفیق، پدر شفیق اور شیخ راہِ طریق بھی ہیں کے نام منصوب کرنا باعث افتخار سمجھتا ہوں اسی طرح بالعموم ان معلمین شیوخ اور دانشوروں کے نام اس پہلی کاوش کا انتساب نہ کرنا بڑی ناسپاسی سمجھتا ہوں جن کے گلستان سے میں نے وقتاً فوقتاً گل چینی کی ہے

انھیں کو نظر کروں تحفۂ یہ گلدستہ
یہ میں نے کی ہے جن کے گلستان سے گل چینی

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	حرف اول	۶
۲	تقریظ از پروفیسر بشیر احمد نحوی	۹
۳	کلمات تحسین از حضرت مفتی سید عبد الرحیم الحسنی	۱۲
۴	تقریظ از محترم غلام نبی وانی بانی رسالہ راہ حق	۱۵
۵	آرزوئے اقبال	۱۷
۶	لفظ عبدیت کا معنی و مفہوم	۱۹
۷	عبدیت کا مفہوم علامہ کے نزدیک	۲۱
۸	اتحاد مرضی	۲۴
۹	دعوت عبدیت	۲۶
۱۰	اظہار عشق و مشاہدۂ حق	۳۱
۱۱	سیر الی اللہ و سیر فی اللہ	۳۲
۱۲	صدق خلیل	۳۷
۱۳	صبر حسین	۴۲
۱۴	بدر	۴۵
۱۵	حنین	۵۰
۱۶	علامہ کا فقر عبدیت کے تناظر میں	۵۴
۱۷	فقر غیور	۶۲
۱۸	فقر بمعنی فنائے نفسی	۶۷
۱۹	امانت	۷۲
۲۰	احکام الٰہی کی پابندی	۷۸
۲۱	خلافت یعنی امانت بمقابلۂ خالق	۸۵
۲۲	آدمیت احترام آدمی	۹۰
۲۳	نبیؐ کے نزول میں بھی محبت خلق کا راز	۹۴
۲۴	ولایت یعنی امانت بمقابلۂ خالق	۹۸
۲۵	ایمان	۱۰۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۶	تقویٰ	۱۰۱
۲۷	علامہ اقبالؒ کی دعوت عشق ومحبت للخالق	۱۰۵
۲۹	تتمہ	۱۰۸
۳۰	حوالے	۱۱۸
۳۱	ضمیمہ	۱۲۱
۳۲	ایک مشورہ	۱۴۳
۳۳	حوالے	۱۴۵
۳۴	مراجع الکتب	۱۴۷
۳۵	ثانوی مراجع	۱۴۹

حرف اول

جہاں تک اس تحریری کاوش کا تعلق ہے اس میں ولایت عشق کے سپاہی اور دیار مہر و وفا کے راہی حضرت علامہ اقبالؒ کو بحیثیت فلسفی، مفکر اور سیاسی قائد کے پیش کرنے کے بجائے ایک عظیم داعی الی العبدیت کے طور پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کیونکہ اسلام جس کا خلاصہ مکمل عبدیت میں داخل ہونا ہے کے ساتھ بقول شمس تبریز خان صاحب ''اقبالؒ کا لگاؤ صرف فکری نہیں بلکہ جذباتی بھی ہے، فکر کے مئے مینا گداز ان کے ہاں جذبہ کی آنچ سے دو آتشہ ہوگئی ہے۔ (لہٰذا) اقبال کو خالص عقلی سطح سے سمجھنے کی کوشش کرنا برگ گل کی کیمیائی تشریح و تجزیہ کرنے کے مرادف کہا جا سکتا ہے، اقبال کے سوز و ساز اور درد و گداز، ان کے دنوں کی تپش اور ان کے شبوں کی خلش کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ عقل کی غلامی سے آزاد دل کی رہنمائی میں ان کے احوال و مقامات کی سیر کی جائے۔'' کیونکہ اقبال وہ مرد آہن ہے جنہوں نے دور جدید میں روحانیت و معنویت اور اس کی باطنی باز یافت کے لئے ان تھک کوشش کی۔ وہ اسباب کے بجائے مسبب الاسباب، مخلوق کے بجائے خالق اور رسمیت کے بجائے حقیقت پر یقین کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ اس مادی دور کے مادی انسان کا تعلق رب

الکائنات کے ساتھ جوڑنے کے لئے ہر وقت متفکر نظر آتے ہیں۔ لیکن ان کی بصیرت سے پر دعوت اور حکمت سے لبریز موعظت مشفقانہ انداز میں امت مسلمہ کو فریضۂ دعوت کے لئے ابھارتی ہے تا کہ اللہ کی بڑائی بیان کرتے کرتے ان کے دلوں میں نکتۂ ایمان راسخ ہو جائے۔ وہ ان بتوں کو جو اس وقت مسلمانوں کی آستینوں میں بشکل نقوش اور اسباب پوشیدہ ہیں کو آناً فاناً توڑنا نہیں چاہتے ہیں بلکہ ان کو مونسانہ انداز میں فریضۂ اذان کے لئے تیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ جب وہ اذان کے لئے کھڑے ہو جائیں تو تمام بت خود بخود گر کر پاش پاش ہو جائیں۔ یہی وہ تخیل ہے جس نے مجھے اقبال اور تصور عبدیت کے عنوان پر آج سے تقریباً تین سال پہلے قلم اُٹھانے پر مجبور کر دیا۔

اس عنوان پر تحقیق و تدقیق کے دوران مجھے ذاتی اعتبار سے کئی ایک آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا جن میں ایک بڑی آزمائش نومولود عبدالباقی کی ہے جس کو اللہ عزّ وجل نے میرے لئے ذخیرہ آخرت بنا دیا۔ تاہم تمام تر آزمائشوں کے باوجود میں نے اس کام کو جاری رکھا۔ اب خدا کے فضل و کرم سے یہ حقیر کوشش منظر عام پر آ رہی ہے ۔

اس کاوش کی تکمیل میں جن لوگوں نے مجھے مختلف طریقوں سے مدد کی

ان میں میرے قبلہ والد بزرگوار ماسٹر غلام نبی صاحب سرفہرست ہیں کیونکہ وہ مجھے تمام شبہات کا جواب بڑی شفقت اور تسلی بخش انداز میں دیتے رہے۔ اسی طرح برادرم منیر احمد اور بھتیجے محمد اقبال کا نام نہ لینا ناسپاسی ہوگی جنہوں نے مجھے اس کو ایڈٹ کرنے میں کافی مدد کی۔ اہلیہ محترمہ اور تمام اہل خانہ کا شکر گذار ہوں جنہوں نے مجھے گھر کی تمام چھوٹی بڑی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر کے اس کار عظیم کے لئے خالص کر دیا۔ مختصراً یہ کہ میں خدا سے دعا گو ہوں کہ وہ ان تمام لوگوں کو جزائے خیر دے جنہوں نے اس کام میں کسی بھی طرح کی مدد کی۔ آمین۔

سالکؔ بلال

الکائنات کے ساتھ جوڑنے کے لئے ہر وقت متفکر نظر آتے ہیں۔ لیکن ان کی بصیرت سے پر دعوت اور حکمت سے لبریز موعظت مشفقانہ انداز میں امت مسلمہ کو فریضۂ دعوت کے لئے ابھارتی ہے تا کہ اللہ کی بڑائی بیان کرتے کرتے ان کے دلوں میں نکتۂ ایمان راسخ ہو جائے۔ وہ ان بتوں کو جو اس وقت مسلمانوں کی آستینوں میں بشکل نقوش اور اسباب پوشیدہ ہیں کو آناً فاناً توڑنا نہیں چاہتے ہیں بلکہ ان کو مونسانہ انداز میں فریضۂ اذان کے لئے تیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ جب وہ اذان کے لئے کھڑے ہو جائیں تو تمام بت خود بخود گر کر پاش پاش ہو جائیں۔ یہی وہ تخیل ہے جس نے مجھے اقبال اور تصور عبدیت کے عنوان پر آج سے تقریباً تین سال پہلے قلم اُٹھانے پر مجبور کر دیا۔

اس عنوان پر تحقیق و تدقیق کے دوران مجھے ذاتی اعتبار سے کئی ایک آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا جن میں ایک بڑی آزمائش نومولود عبدالباقی کی ہے جس کو اللہ عزّ وجل نے میرے لئے ذخیرہ آخرت بنا دیا۔ تاہم تمام تر آزمائشوں کے باوجود میں نے اس کام کو جاری رکھا۔ اب خدا کے فضل و کرم سے یہ حقیر کوشش منظر عام پر آ رہی ہے ۔

اس کاوش کی تکمیل میں جن لوگوں نے مجھے مختلف طریقوں سے مدد کی

ان میں میرے قبلہ والد بزرگوار ماسٹر غلام نبی صاحب سرفہرست ہیں کیونکہ وہ مجھے تمام شبہات کا جواب بڑی شفقت اور تسلی بخش انداز میں دیتے رہے۔ اسی طرح برادرم منیر احمد اور بھتیجے محمد اقبال کا نام نہ لینا ناسپاسی ہوگی جنہوں نے مجھے اس کو ایڈٹ کرنے میں کافی مدد کی۔ اہلیہ محترمہ اور تمام اہل خانہ کا شکر گذار ہوں جنہوں نے مجھے گھر کی تمام چھوٹی بڑی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر کے اس کار عظیم کے لئے خالص کر دیا۔ مختصراً یہ کہ میں خدا سے دعا گو ہوں کہ وہ ان تمام لوگوں کو جزائے خیر دے جنہوں نے اس کام میں کسی بھی طرح کی مدد کی۔ آمین۔

سالکؔ بلال

باسمہٖ تعالیٰ

تقریظ

اقبالؔ ہمارے تحتی براعظم کی وہ ہمہ پہلو شخصیت ہے جن کے رفیع الشان کلام و پیغام پر ہر مسلک، ہر مکتبہ فکر اور ہر سن و سال کے لوگ کچھ نہ کچھ تحریر کر کے ایک طرف ان سے اپنی اظہار کرتے ہیں اور دوسری جانب ان کے تصورات کو نژادِ نو تک پہنچانے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ عزیز القدر سالکؔ بلال کو میں سال ہا سال سے جانتا ہوں اور ان سے بے پناہ محبت اس لئے کرتا ہوں کہ عنفوان شباب میں ہی اللہ نے انہیں پاکیزگی، تقویٰ شعاری اور دینداری کے محاسن سے مزین کیا ہے۔ فی زمانا ایسے جوان قابل تحسین اور مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے مادیت کے خوشنما مظاہر کو خیر باد کہ کے عبدیت کے زیور سے اپنے آپ کو آراستہ کرنے کی مساعی جمیلہ کر رہے ہیں۔ شاید ایسے ہی جوانوں کے لئے شاعر مشرق نے یہ دعا کی تھی ؎

جوانوں کو سوز جگر بخش دے
مرا عشق میری نظر بخش دے
تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دل مرتضیٰؓ سوز صدیقؓ دے

سالکؔ بلال احمد کی چھوٹی سی تحریر کردہ کتاب ''اقبال اور تصور عبدیت'' کا میں نے مطالعہ کیا۔ اقبال کے تصورات دین و ملت کے حوالے سے جو کتابیں تحریر کی گئی ہیں ان میں اقبال کے تصور الٰہ، تصور رسالت، تصور آخرت اور تصور عبادت کے بارے میں درجنوں مقالات و مضامین تحریر کئے گئے ہیں۔ ان مضامین و مقالات میں کچھ اعلیٰ پایہ کے شاہکار ہیں۔ زیر نظر کتاب اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہے، جس میں عارف رومیؒ، اور عارف ہندی کے خیالات، صوفیاء صافیہ اور خاصانِ امت کے عبودیت کے حوالے سے نہایت ہی عمدہ احساسات کو بڑے دردمندانہ انداز میں یکجا کیا گیا ہے۔ درحقیقت جملہ مخلوقات کے وجود کا مقصد خالق حقیقی کی اطاعت اور اس کے کائناتی قوانین کے سامنے خود سپردگی کا اظہار ہے اقبال اسی آفاقی اور سرمدی حقیقت کا ترجمان ہے، جس میں انفرادی و اجتماعی اطاعت و عبادت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات ہے ؎

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمران ہے اک وہی باقی بتان آذری

عزیزم بلال صاحب نے بڑی جانفشانی سے مواد اکٹھا کر کے اقبال کے نظریات کی روشنی میں نہایت ہی عمدہ اشعار کے توسط سے تصور

عبدیت کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر چہ زبان و بیان میں کہیں کہیں اردوئے معلیٰ کی شگفتگی و شیرینی قدرے متاثر ہوئی۔ مجموعی طور پر یہ کاوش قابل تحسین ہے اور توقع ہے کہ اس کتاب کے ذریعے ہماری نئی نسل اقبال کے فکر کی روح اور سرچشمہ سے آشنا ہو جائے گی ۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

(اقبالؒ)

پروفیسر بشیر احمد نحوی
ڈائریکٹر اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی

۱۴ اگست ۲۰۱۱ء
بمطابق ۳ رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ

کلمات تحسین

باسمہٖ تعالیٰ

نحمدہٗ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم : اما بعد

انسان کی کامیابی اپنا مقصدِ تخلیق معلوم کر کے اپنی تمام تر توجہات، توانائیاں اور صلاحیتیں اس مقصد عظیم کے حصول میں صرف کرنے میں پنہاں ہے اور وہ مقصد عظیم اپنے خالق و مالک کی مخلصانہ بندگی بصورت اطاعت و اتباع محمد رسول اللہ ﷺ خود حضرت حق جل مجدہٗ نے قرآن مقدس میں متعین فرمادیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون (الذاریات:۲) وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین (البینہ) لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ (الاحزاب) اسی مقصد عظیم کی یاددہانی اور تکمیل کے لئے اللہ نے انبیاء و رسل اور کتب و صحف کو نازل فرمایا اور پھر ہر ملت میں مجددین و مصلحین نے اپنی زندگی اس کے لئے وقف کردی جزاھم اللہ خیراً۔

شاعر مشرق حضرت علامہ اقبالؒ بھی انہی عظیم شخصیات میں شامل ہیں جنہوں نے اپنے پر تاثیر منظوم کلام کے ذریعہ خودی، حریت، ایمان و یقین، مرد مومن، مرد مجاہد، شاہین، عقاب وغیرہ بے شمار دلکش و پر شکوہ

عنوانات کے تحت انسان کے مقصد زندگی یعنی بندگی کی بار بار یاد دہانی کرائی اور اسی کی دعوت کے لئے اپنی زندگی وقف کردی۔ مقام شکر ہے کہ ایک ایسے وقت میں جب کہ علامہ مرحوم کے افکار اور فلسفہ کے اس مرکزی تخیل، آپکی مومنانہ شاعری کی جولانگاہ اور آپکی حقیقی دعوت کے عظیم محور سے بے اعتنائی برتی جارہی ہے اور ان کے کلام کو فقط عصری سیاست کا یرغمال بنانے کی مہم جاری ہے ہمارے عزیز محترم جناب سالک بلال احمد وانی ابن جناب ماسٹر غلام نبی وانی ساکن فتحگڈھ ناروا وبارہمولہ نے بفضلہ تعالیٰ اس جانب توجہ فرماکر نہایت قابل قدر کاوش انجام دی ہے۔ چنانچہ عزیز موصوف نے ''اقبال اور تصور عبدیت'' کے عنوان سے علامہ مرحوم کے اصل مشن کی طرف خود متوجہ ہوکر اقبال شناسی اور اقبالیات کے سلسلہ میں ایک اہم ترین بلکہ بنیادی سنگ میل عبور کرنے کی سعی مشکور کی ہے فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

موصوف کا تعلق ایک قدیم دینی ودعوتی گھرانے سے ہے اور انکے والد ماجد کا ہمارے والد مرحوم حضرت مولانا سید عبدالولی شاہ صاحبؒ کے ساتھ انتہائی عقیدت مندانہ، مسترشدانہ تعلق رہا ہے اور مولانا مرحوم کے ملفوظات وتعلیمات کا گرانقدر مجموعہ اللہ پاک نے انہی کے ذریعہ افرادامت

تک پہنچنے کے اسباب مہیا فرمائے جس پر ابھی کام جاری ہے اللہ پاک اس کام کی احسن طور تکمیل کے اسباب مہیا فرمائے۔ آمین

آخر میں جہاں عزیز موصوف کو اس اولین کاوش پر مبارکباد پیش کرتا ہوں وہیں اپنے دینی بھائیوں خصوصاً علامہ اقبالؒ کے عقیدتمندوں سے گذارش کرتا ہوں کہ وہ موصوف کی اس قیمتی تحریر کو حرز جان بناکر سعادت دارین حاصل فرماویں۔ اللہ پاک موصوف کی اس کتاب کو قبول فرماکر امت کی ہدایت کا ذریعہ اور موصوف کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ (آمین)

احقر عبدالرحیم عفی عنہ

خادم دارالعلوم المصطفوی بارہمولہ

تاریخ ١١ شعبان ١٤٣٢ھ

بمطابق ١٣ جولائی ٢٠١١ء

تقریظ

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہٖ الکریم.

اللہ رب العزت کا فرمان ہے کہ وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون (ترجمہ) میں نے جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا۔ مولانا رومیؒ نے اسی آیت کا مفہوم اپنے منظوم کلام میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔

ماخلقت الجن والانس این بخواں
نیست مقصود ضر عبادت در جہاں

کلمہ شہادت ہم کو حکم دیا گیا ہے یوں کہا کرو کہ محمداً عبدہٗ ورسولہٗ یعنی حضورﷺ اللہ کے بندے اور رسولؐ ہیں یہاں شان رسالت سے پہلے شان عبدیت کو نمایاں کیا گیا ہے۔ عبدیت کا حقیقی مفہوم معرفت الٰہی ہے۔ کنت کنزاً مخفیاً داحببت ان اعرف فخلقت الخق میں اسی طرف اشارہ ہے۔ حضرت رومیؒ نے ان الفاظ میں اس کی ترجمانی فرمائی ہے۔

بہر اظہار ہست ایں خلق جہاں
تا نماند گنج حکمتہا نہاں

عبدیت اور معرفت جو بندگی کا حقیقی کمال ہے خدا کا محبوب بننے میں نہ صرف

شرط اول ہے بلکہ زندگی کا حقیقی مقصد ہے۔ احقر کی نگاہ میں منظوم کلام کے سانچے میں اس موضوع پر جس انداز میں پیر رومیؒ اور مرید ہندیؒ نے لب کشائی فرمائی ہے وہ علمی، عقلی اور عرفانی دنیا میں ان ہی کا حصہ ہے لہٰذا علامہ اقبال کی یہ رباعی برمحل ہے۔

چو رومی در حرم دادیم اذان من
ازو آموختم اسرار جان من
بہ دور فتنۂ عصر کہنا او
بہ دور فتنۂ عصر روان من

عزیز القدر بلال احمد نے اقبال اور عبدیت کے موضوع پر قلم اٹھا کر جو کوشش کی ہے میری دلی دعا ہے کہ سب سے پہلے اللہ رب العزت اپنی پاک بارگاہ میں اسے قبول فرمائے اور پھر اپنے زیادہ سے زیادہ بندوں کو اس سے مستفید فرمائے۔ آمین۔

بندہ ناچیز

ماسٹر غلام نبی وانی فتحگڈھی

(ایم۔اے عربی، فارسی کشمیر یونیورسٹی۔ بی ایڈ)

آرزوئے اقبالؒ

"صرف ایک بے چین اور مضطرب جان رکھتا ہوں۔ قوت عمل مفقود ہے۔ ہاں یہ آرزو رہتی ہے کوئی قابل نوجوان، جو ذوق خداداد کے ساتھ قوت عمل بھی رکھتا ہو، مل جائے جس کے دل میں اپنا اضطراب منتقل کر دوں" (خط محررہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۱۵ء)

زمن گو صوفیانِ باصفا را
خدا جویانِ معنی آشنا را
غلام ہمتِ آں خود پرستم
کہ بانورِ خودی بیند خدا را

(علامہ اقبالؒ)

لفظ عبدیت کا معنی و مفہوم

عبادت جو کہ خالص عربی لفظ ہے کا معنی اہل لغت نے انتہائی عاجزی اور انکساری بیان کیا ہے۔عبادت کے معنی میں لفظ عبودیت سے زیادہ زور اور تاکید ہے۔یہی علامہ جوہری کی تحقیق ہے [1] عبودیت کا اطلاق انسانوں پر بھی ہوسکتا ہے [2] لیکن عبادت کا استحقاق صرف اسی کے لئے ہے جو عظمت و ربوبیت کی چوٹی پر فائز ہے۔صوفیہ کا قول عبادت سے متعلق زیادہ زوردار اور واضح تر ہے۔ صوفیہ کہتے ہیں "کہ جس طرح غسال کے ہاتھوں میں مردہ ہوتا ہے اسی طرح اللہ کے احکام کی تعمیل میں بندہ اپنے کو بے اختیار اور بے ارادہ بنادے،رب کے ہر حکم پر راضی ہو یہاں تک کہ اس کی نظر میں اللہ کے احکام تکوینیہ (تخلیقیہ اور فطریہ) اور احکام تشریعیہ (اوامر و نواہی) کا مرتبہ ایک جیسا ہو۔[3]" مطلب یہ کہ جس طرح اللہ کے احکام تخلیقیہ میں بندہ انتہائی عاجز اور مضطر ہوتا ہے اسی طرح اپنے آپ کو قوت ارادہ اور مدرکہ کے ساتھ شعوری طور اوامر و نواہی حق میں

مجبور و مضطر سمجھے۔اس طرح کا شعوری احساس رکھنے والا فرد شریعت اسلامی میں عبد کہلاتا ہے اور یہی اس کا صحیح مفہوم ہے جو صوفیاء اور فقہاء دونوں کو قابل قبول ہے۔

عبدیت کا مفہوم علامہ کے نزدیک

حضرت علامہ شاعر مشرق کے یہاں عبدیت کا مفہوم ایک حاکم و محکوم، قہار اور مقہور، غنی و عاجز کا نہیں بلکہ وہ عبد و معبود کے رشتہ کو عاشق و معشوق کے تعلق میں دیکھتے ہیں۔ان کے نزدیک عبد کا مطلوب و مقصود معبود حقیقی اور معبود کا محبوب عبد ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر افضل البشر و العباد کی تخلیق کا ارادہ حضرت اللہ عزّ وجل کا نہیں ہوتا تو زمین و آسمان میں یہ شور و نور نہیں ہوتا۔علامہ فرماتے ہیں ۔

جہاں تمام ہے میراث مرد مومن کی
میرے کلام پہ حجت ہے نکتۂ لولاک

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت اللہ عزّ وجل رسول اکرم ﷺ کو چاہتے تھے اور اسی چاہنے کی بدولت باقی دوسری چیزوں نے بحکم خدا جنم لیا۔معلوم ہوا معبود کا مطلوب عبد اور عبد کا مطلوب معبود ہے اسی عبدیت کا ثبوت حضور ﷺ کے جان نثار صحابہؓ نے بھی دیا جب

انھوں نے اپنی خواہشوں کو خالق حقیقی کی مرضی میں ضم کر دیا یعنی ان کی مرضی وہی ہوتی تھی جو اللہ رب العزت کی ہوتی تھی۔ان کی اس کیفیت کو دیکھ کر اللہ رب العزت نے قرآن میں اعلان کر دیا رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔علامہ اقبالؒ مقام عبدیت کو سمجھاتے ہوئے اسی کیفیت کو پیدا کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔علامہ فرماتے ہیں:

’’وہ (عبد) یہ نہ سمجھے کہ وہ کسی حاکم یا آقا کے حکم و تسلط کے ماتحت فضائل اخلاق و عبادات پر کاربند اور ذمائم و قبائح نفس سے مجتنب ہوں بلکہ یہ چیزیں اس کی اپنی تمنا بن کر اس کے عمق روح سے اچھلیں۔قرآن اس کے حق میں تلخ اور شافی دوا نہ رہے بلکہ ایک لذیذ اور زندگی بخش دوا بن جائے‘‘ ؎

یہ وہ مقام ہے جو ان مومنین جن کو اللہ رب العزت قرآن میں خاشعین سے یاد کرتا ہے کو حاصل ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نماز خاشعین کے علاوہ دوسروں پر بارگراں ہے و انہا لکبیرۃ الا

علی الخاشعین (القرآن) یہی وہ کیفیت ہے جس کو مولانا محمد الیاسؒ طریقت کی غایت بتاتے ہیں:

''طریقت کی خاص غایت ہے اللہ تعالیٰ کے احکام و اوامر کا مرغوب طبعی اور نواہی کا مکروہ طبعی ہو جانا'' ۵

اتحاد مرضی

خدا فرماتا ہے کہ میں ان سے راضی ہوا اور وہ مجھ سے راضی ہوئے۔ مومنین کا اپنے رب سے راضی ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ مومن تمام احکام تکوینیہ جو انسان سے متعلق ہیں پر یہ ایمان رکھتا ہے کہ یہ حضرت اللہ جل مجدہٗ کی طرف سے ہیں اور ان امور میں اس کے علاوہ کسی کو کوئی تصرف کرنے کا حق نہیں ہے یعنی وہ بزبان حال وقال گویا لا تحرك ذرة الا باذن الله کی تسبیح پڑھتا نظر آتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ تشریعی احکام سے متعلق مومن یہ یقین رکھتا ہے کہ ان احکام کی پابندی کئے بغیر وہ اپنے معشوق کو راضی نہیں کر سکے گا۔ لہٰذا وہ اوامر و نواہی پر عمل کرنا اپنا مقصد حیات سمجھتا ہے جب ایک عبد ان تمام امورات (تکوینی و تشریعی) پر اسی اعتماد کے ساتھ کاربند رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے کامل طریقے سے راضی ہو جاتا ہے۔ اسی بنیاد پر اللہ تعالیٰ اسکو یہ مژدہ سناتا ہے فا ادخلی فی عبادی و ادخلی فی جنّتی (القرآن) اور اللہ تعالیٰ کی جنّت کو

دیکھ کر یہ عبد حقیقی اپنے معبود حقیقی سے راضی ہو جاتا ہے اسی تمام مفہوم پر رضی اللہ عنہم و رضو عنہ دلالت کرتا ہے

دعوتِ عبدیت

علامہؒ اس دور میں پیدا ہوا جب پورے عالم میں مادہ کی پرستش کی جاتی تھی انسان کا دین، ایمان، اخلاق الغرض سب کچھ مادہ ہی بن گیا تھا۔ ہر چیز کو مادے کی نگاہ سے جانچا اور پرکھا جاتا تھا۔ عظمت مادہ نے انسان کو معرفت رب سے محروم کر دیا تھا۔ اگر کہیں عشق کی چنگاری تھی وہ بھی راکھ کے ڈھیر کے نیچے دبی ہوئی تھی۔ یہ عشق و مستی کا فقدان ہی تھا کہ آدمی ہر طرح کی غلامی میں گرفتار تھا۔ فقہی اور منطقی بحثوں سے عوام و خواص کے قلوب مرجھا چکے تھے ۔عبدیت یعنی لا الہ کو منطقی دلیلوں سے سمجھانے کی کوشش کی جارہی تھی ۔علامہؒ اس منطقی دعوت کو کافی نہیں سمجھتے تھے کیونکہ ان کے پیر و مرشد حضرت علامہ رومیؒ کا مسلک کچھ اس طرح تھا

گر بہ استدلال کار دین بدے

فخر رازیؒ راز دار دین بدے

لہٰذا علامہؒ عبدیت کی طرف دعوت دینے کے لئے شور رومیؒ

،سوز خسروؔ اور صدق واخلاص سنائیؔ کو ضروری سمجھتے ہیں۔ ان چیزوں کے بغیر داعی الی العبدیت کامیاب نہیں ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ان چیزوں کی دعا کرتے ہیں ۔

عطا کن شورِ رومی سوزِ خسرو
عطا کن صدق واخلاصِ سنائی
چناں با بندگی در ساختم من
نہ گیرم گر مرا بخشی خدائی (ارمغان)

علامہ کے نزدیک نکتۂ توحید یا بالفاظ دیگر رموز عبدیت عاشقانہ ولولے، صدق واخلاص اور عشق ورقت کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا ہے اسی حقیقت کو وہ ضرب کلیم میں اس طرح بیان کرتے ہیں ۔

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے
تیرے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے
وہ رمز شوق کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے
طریق شیخ فقیہانہ ہو تو کیا کہیے

علامہ کہتے ہیں جس پر لا الہ کی حقیقت کھلتی ہے وہ مکتب وملا کا محتاج نہیں رہتا ہے کیونکہ یہ وہ نور ہے جس سے آدمی پر تمام پوشیدہ امور منکشف ہو جاتے ہیں اب یہ کسی علوم کا محتاج نہیں رہتا ہے کیونکہ اس کو لدنی علوم ودیعت کردئے جاتے ہیں مومن پر تو یہ لدنی علوم کا ہی پرتو ہاتا ہے کہ اس کی فراست سے ڈرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ حدیث میں آتا ہے " اتقوا فراسۃ المومن فانہٗ ینظر بنور اللہ" کہ مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ یہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے، اسی نور کو حضرت علامہ لا الہ کا نور کہتا ہے ۔

کسے کو لا الہ در گرہ بست
ز بند مکتب وملا بروں جست

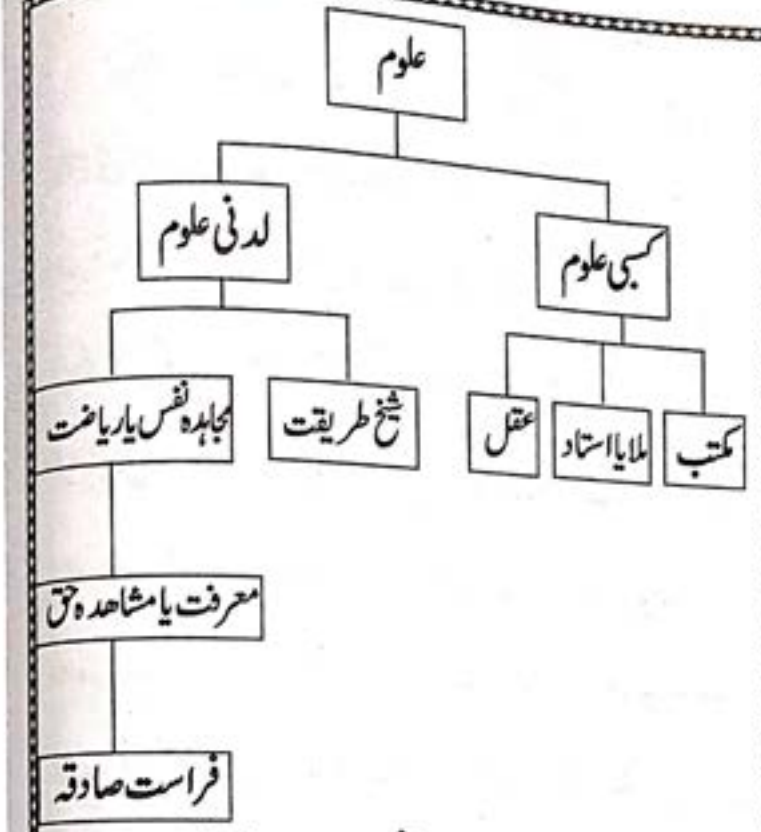

جیسا کہ نقشہ ھٰذا سے واضح ہو جاتا ہے کہ فراست صادقہ کے لئے مستند پیر یا شیخ کامل کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ کتاب کے ساتھ ساتھ صاحب کتاب کا ہونا لازمی امر ہے۔ دین صرف نقوش سے نہیں بلکہ پاکیزہ نفوس سے سمجھ میں آتا ہے یہی وجہ ہے کہ اسرار دین سمجھنے کے لئے علامہ کو پیر رومؒ کی طرف رجوع کرنا پڑا ورنہ علامہ ماہر منطق وفلسفہ پہلے ہی سے تھے۔ علامہ کہتے ہیں جو منطق کی دلیلیں

مجھے سنائی گئیں تھیں وہ خام تھیں ان دلیلوں سے میرے اوپر اسرار و رموز دیں منکشف نہیں ہوئے وہ جب ہی میرے اوپر منکشف ہوئے جب میں نے پیر رومیؒ اور جامیؒ کی طرف رجوع کیا ۔

مرا از منطق آید بوے خامی
دلیل او دلیل ناتمامی
برویم بستہ درہا را کشاید
دو بیت از پیر رومی یا ز جامی (ارمغان)

یا

گرہ از کارایں ناکارہ واکرد
غبار راہ گذر را کیمیا کرد
نئے آں نے نوازے پاکبازے
مرا با عشق و مستی آشنا کرد (ارمغان حجاز)

اظہار عشق ومشاہدۂ حق

اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کا معمول ہمیشہ یہ رہا ہے کہ وہ اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔ کیونکہ جب ان کو مشاہدۂ حق ہو جاتا ہے تو انہیں اپنا کیا بلکہ پورے عالم کا وجود قدرت باری کے سامنے ہیچ نظر آتا ہے۔ یہ کیفیت اور حال جب ان پر چھا جاتا ہے تو لا موجود الا اللہ سے ہر وجود کی نفی کرتے ہیں اور بحر الا اللہ میں ڈوب کر تہہ سمندر کی حقیقی دنیا سے آگاہ ہو جاتے ہیں اس تفصیل کو علامہؒ اس رباعی میں بیان کرتے ہیں۔

تو اے ناداں دل آگاہ دریاب
بخود مثل نیاگاں را دریاب
چناں مومن کنند پوشیدہ رافاش
ز لا موجود الا اللہ دریاب

(ارمغان حجاز)

سیر الا اللہ اور سیر فی اللہ

عشق مع اللہ کے دو درجے ہیں ایک سیر الا اللہ اور دوسرا سیر فی اللہ۔ صوفیاء لکھتے ہیں کہ سیر الا اللہ یہ ہے کہ نفس کے امراض کا علاج شروع کیا جائے یہاں تک کہ امراض شفاء پائیں۔ اس کی تعمیر ذکر و شغل سے ہوتی ہے اس طرح سالک انوار ذکر سے تدریجاً معمور ہو جاتا ہے تخلیہ اور تحلیہ کے قواعد سے واقف ہونے کے ساتھ ساتھ معالجۂ امراض سے بھی واقفیت حاصل کرتا ہے اس طرح نفس کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ اس مرحلے میں سالک کی طبیعت ثانیہ اعمال صالحہ بن جاتے ہے اور رزائل آہستہ آہستہ زائل ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ نسبت مع الحق کی یہ صورت نسبت اصلاحی کہلاتی ہے اور اس نسبت کے لئے شیخ کا ہونا ضروری ہے۔ اس نسبت کی وجہ سے سالک کو عبادات و اعمال صالحہ کرنے میں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوتی ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر اب دوسرا مرحلہ جو کہ حتمی ہے اور ترقیوں کے اعتبار سے لامحدود ہے کی ابتداء ہو جاتی

ہے اس مرحلے کو علم تصوف میں سیر فی اللہ کہتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیزؒ اس نسبت کو نسبت اتحادی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب سالک کے اوپر معشوق یعنی حضرت رب العزت کی ذات و صفات کا حسب استعداد انکشاف ہونے لگتا ہے اب تعلق سابق میں مزید حسب مشاہدہ اضافہ ہونا شروع ہو جاتا ہے اور یہ اسرار و حالات کا ورود غیر محدود ہے حضور ﷺ کے استغفار کے پیچھے یہی فلسفہ ہے۔ اسی تعلق کی نسبت کہا گیا ہے۔

بحریست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست
ایں جا جز ایں کہ جاں بسپارند چارہ نیست

جہاں تک علامہ اقبالؒ کا تعلق ہے وہ ان دونوں نسبتوں کو حاصل کرنے کی پرزور دعوت دیتا ہے۔ اگرچہ علامہ کے کلام کے اور وسیع تحقیق و تدقیق کی وجہ سے متضاد تشریحیں اور تعبیریں علمی دنیا میں نظر آرہی ہیں اور معاملہ کچھ اس طرح لگ رہا ہے **''شد پریشان خواب من از کثرت تعبیر ہا''** لیکن کثرت تعبیر کی وجہ سے طالبین حق اور عرفانی مذاق رکھنے والوں کے لئے حقیقت تک

پہنچنا کوئی مشکل بات نہیں۔

جہاں تک پہلی نسبت کا تعلق ہے اس کو حاصل کرنے کے لئے اطاعت اور ضبط نفس کا کردار بڑا اہم ہے۔ ان دو چیزوں کے بغیر سیر الی اللہ جو سیر فی اللہ کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے ناممکن الحصول ہے ان اقدار کو حاصل کرنے کی تلقین علامہ اپنے مخصوص انداز میں اسطرح کرتے ہیں۔

در طاعت کوش اے غفلت شعار
می شود از جبر پیدا اختیار
باطن ہر شئے ز آئینے قوی
تو چرا غافل ز ایں ساماں روی
شکوہ سنج سختی آئین مشو
از حدود مصطفےٰ بیروں مشو
قرب حق از ہر عمل مقصود دار
تا کہ بر تو گردد جلالش آشکار

(ترجمہ اشعار)

۱) اے غفلت شعار! اطاعت الٰہی کی کوشش کر، اختیار جبر (اطاعت) سے پیدا ہوتا ہے۔

۲) ہر شے کا باطن قانون ہی سے قوی ہوتا ہے تو اس سامان سے کیوں غافل ہے۔

۳) آئین کی شدت کا شکوہ مت کر اور محمد مصطفےٰ ﷺ کے مقرر کردہ حدود سے باہر مت نکل۔

۴) اپنے ہر عمل سے قرب حق مقصود رکھ تا کہ تیری ذات پر اسکا جلال آشکار ہو۔

اسی طرح ۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

الغرض علامہؒ کے نزدیک اطاعت، عمل صالح اور ضبط نفس سے قرب حق حاصل ہو جائے گا اور قرب الی الحق ہی سے سیر فی اللہ کا

سفر شروع ہو جاتا ہے اور علامہ کی اصطلاح میں اس مقام کو عشق کا نام دیا گیا ہے۔ اور عشق کیا ہے؟ اس کی وضاحت علامہ اس شعر میں فرماتے ہیں:

صدق خلیلؑ بھی ہے عشق صبر حسینؓ بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

اس شعر میں علامہ نے جن تاریخی واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے ان تمام واقعات میں سیر فی اللہ یا نسبت اتحادی کی جھلکیں نمایاں ہیں لہٰذا ان تاریخی واقعات کو عشق کے تناظر میں سمجھنے کی ضرورت ہے تا کہ ہم لفظ عشق کو اسی سیاق و سباق میں سمجھ لیں جس میں حضرت علامہ نے اس لفظ کو استعمال کیا ہے۔

صدق خلیل علیہ السلام

صدق کی اضافت خلیل سے ہے اس سے پہلے کہ ہم خلیل علیہ السلام کے صدق کو بیان کریں پہلے لفظ صدق جو کہ ایک عرفانی اصطلاح ہے کو عارفوں کے اقوال سے سمجھنے کی کوشش کرنی ہے۔ حضرت احمد خضرویہؒ نے فرمایا جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ کے ساتھ رہے اسے کہو صدق کے ساتھ ہمیشہ رہے کیونکہ ان اللہ مع الصادقین۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں صدق کی حقیقت یہ ہے کہ اس وقت سچ کہا جائے جس وقت جھوٹ بولنے سے ہی نجات مل جائے۔ فتح موصلیؒ سے پوچھا گیا: صدق کیا ہے؟ اپنے ہاتھ آہنگری کی جلتی ہوئی بھٹی میں ڈال اور سرخ جلتا ہوا لوہے کا ایک ٹکڑا باہر نکال کر اسے ہاتھ میں رکھتے ہوئے فرمایا "یہ ہے صدق"۔ اسی لئے صوفیاء کا قول ہے کہ جب تم صدق سے اللہ کو طلب کرو گے تو وہ تجھے ایسا آئینہ دے دے گا جس میں دنیا اور آخرت کے عجائبات دیکھو گے اور وہ آئینہ فراست صادقہ ہے جس کو احقر نے دعوت عشق کے تحت پہلے ہی

بیان کیا ہے۔ اس مختصر تشریح کے بعد اب صدق خلیل کو سمجھنا بہت آسان ہو گیا۔ حضرت خلیل اور نمرود کے درمیان جو چیز وجہ اختلاف بنی وہ یہ تھی کہ انھوں نے نمرود کی قوم سے کہا "کیا تم خدا کو چھوڑ کر ایسی چیز کی پوجا کرتے ہو جو تم کو نہ نفع پہنچاتی ہے نہ نقصان، تف ہے تم پر اور ان پر جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے" (القرآن) ۲ اس بات پر وقت کا نمرود بہت برانگیختہ ہوا اور حکم دیا کہ ابراھیم علیہ السلام کو آگ میں جھونک دیا جائے۔ حسب حکم حضرت خلیل علیہ السلام کو گرفتار کر کے لایا گیا۔ اور ایک بند کوٹھری میں قید کیا گیا۔ ایک بہت بڑا گھڑا تیار کیا گیا اور حکم دیا گیا کہ ٹھوس قسم کی لکڑیاں وہاں جمع کی جائیں۔ لکڑیوں کا انبار عظیم جمع کیا گیا اور اس آگ کو بھڑکایا گیا وہ اتنی تیز کی گئی کہ پرندہ بھی جلنے کے ڈر سے اوپر سے نہ اڑ سکتا تھا۔ اب ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کو اس میں پھینکنے کا مسئلہ درپیش آیا لیکن کسی فرد واحد کے ذہن میں کوئی تدبیر نہیں آتی تھی۔ اتنے میں شیطان نے اپنا شیطانی فرض نبھا کر منجنیق گوپھن یا چرخی بنانے کی تدبیر بتائی۔ چنانچہ چرخی قائم کر کے ان کو آگ میں پھینک دیا گیا۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لب بام ابھی

یہ ماجرا دیکھ کر آسمان، زمین، ملائکہ اور سوائے جن وانس کے ساری مخلوق چیخ پڑی اور عرض کیا اے ہمارے رب ابراہیم علیہ السلام تیرا خلیل ہے اور آگ میں اس کو ڈالا جا رہا ہے۔اس کے سوا روئے زمین پر اور کوئی عبادت کرنے والا نہیں ہے۔ہم کو اگر اجازت مل جائے تو ہم اس کی مدد کریں۔ اللہ نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام میرا خلیل ہے اس کے سوا اور کوئی میرا خلیل نہیں اور میں ہی اس کا معبود ہوں ۔میرے سوا اس کا اور کوئی معبود نہیں ۔اگر وہ تم میں سے کسی کی مدد کا خواستگار ہو یا دعا کرے تو جس سے وہ مدد طلب کرے وہ اس کی مدد کرسکتا ہے۔میری طرف سے اس کو اجازت ہے اور اگر میرے سوا کسی اور کی مدد کا طلبگار نہ ہو تو میں اس کی حالت کو خوب جانتا ہوں میں اس کا کارساز ہوں ۔میرے اور اس کے درمیان تم حائل نہ ہو۔جوں ہی لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں پھینکنا چاہا تو وہ فرشتہ جو پانی کا خازن (کارندہ) تھا آیا اور اس نے حضرت

ابراہیم علیہ السلام سے کہا اگر آپ چاہئیں تو میں آگ کو بجھا دوں۔اسی طرح ہوا کا موکل بھی آیا۔اس نے کہا اے خلیلؑ اگر آپ کا منشا ہو تو میں آگ کو ہوا میں اڑا دوں۔ حضرت ابراہیم نے کہا مجھے تمہاری امداد کی ضرورت نہیں میرے لئے اللہ کافی ہے وہی میرا کارساز ہے۔اس تمام تر تفصیل سے میرا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ اللہ اور خلیل اللہ کا تعلق کتنا محکم اور استوار تھا۔اللہ کا فرشتوں سے یہ کہنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ میرا اور کوئی خلیل نہیں ،اس کا کوئی معبود نہیں اور میں ہی اس کا معبود ہوں ۔یعنی حضرت رب العزت خود خلیل اللہ کے کمال عبدیت کی تصدیق کرتا ہے اور یہاں سے حضرت خلیل اللہ کا فرشتوں سے یہ کہنا کہ میرے معبود کو میرے حال کی پوری خبر ہے اور وہی میرا کارساز ہے اور بجائے دعا و استعانت طلب کرنے کے درج ذیل الفاظ میں شان عبدیت کا اظہار کرنا کمال عبدیت ہے:"لا الہ الا انت سبحانک لک الحمد و الملک لا شریک لک " اسی کیفیت اور راز کو علامہ نے اس شعر میں بیان کیا۔

چناں بابندگی درساختم من

نہ گیرم گر مرا بخشی خدائی

حضرت خلیل علیہ السلام کو تو حضرت اللہ جل شانہٗ نے خدائی (مکمل اختیار) بھی دیا تھا لیکن انھوں نے بزبان حال کہا کہ میں بندگی کے اس مقام پر پہنچا ہوں کہ مجھے اس اختیار کی ضرورت نہیں جو خالق اور خلیل کے درمیان حائل ہو جائے لہٰذا مجھے اسی حالت میں زیادہ مزہ ہے۔ اس سوز اور کیفیت اور رمز و رموز جو عاشق و معشوق کے درمیان ہو رہے ہیں کو علامہ نے صدق خلیلؑ کا نام دیا ہے اور یہی عشق ہے۔

میان عاشق و معشوق رمزیست

کراماً کاتبیں راہم خبر نیست

(ترجمہ) عاشق اور معشوق کے درمیان ایسے خفیہ اشارے چل رہے ہیں کہ کراماً کاتبین کو بھی ان کا پتہ نہیں چلتا ہے۔

صبرِ حسین رضی اللہ عنہ

جہاں تک لفظ صبر کا تعلق ہے عرفاء کے نزدیک یہی ایک ایسا وسیلہ ہے جس سے سالک کے رنج و الم، راحت و خوشی میں بدل جاتے ہیں۔ صبر سے سالک شہوتوں، لذتوں اور راحتوں کی راہیں اپنے لئے مسدود کر دیتا ہے اور نفس امارہ کے تقاضوں کو ٹھکراتا ہے اور اس طرح سے دل کا نور پالیتا ہے۔ یہی ایک ایسی نشانی ہے جو سالک کے کامل عبد ہونے کی علامت ہے۔ وہ ہر مصیبت میں جو راہ سلوک میں پیش آئے بس اللہ پر نظر رکھتا ہے اور یہ بذات خود بڑی ریاضت ہے۔ اگر ہم اس تناظر میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دیکھیں، تو ہمیں معلوم ہوگا کہ انہوں نے اپنی مہم سر کرنے میں تمام مصیبتوں کو کیسے اور کس عزم کے ساتھ برداشت کیا۔ وہ اپنے بدن کے خون کا آخری قطرہ نچھاور کرنے تک مطمئن اور صابر نظر آرہے تھے ان کے عزم کا اندازہ ان اشعار سے ہوتا ہے جو انھوں نے ابن زیاد کے اس جملے ”کہ میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ اگر آپ قتال کریں گے تو قتل کئے

جائیں گے'' کے جواب میں کہا۔

سامضی وما بالموت عارٌ علی الفتیٰ

اذا ما یریٰ خیراً و جاھد مسلماً

فان عشت لم اندم و ان مت لم الم

کفیٰ بك ذلًا ان تعیش و ترغماً

(ترجمہ)

''میں اپنے ارادہ کو پورا کروں گا اور موت میں کسی جوان میں کوئی عار نہیں جبکہ اس کی نیت خیر ہو اور مسلمان ہو کر جہاد کر رہا ہو۔ پھر اگر میں زندہ رہ گیا تو نادم نہ رہوں گا اور اگر مر گیا تو قابل ملامت نہ ہونگا اور تمہارے لئے اس سے بڑی ذلت کیا ہے کہ ذلیل وخوار ہو کر زندہ رہو۔''

اس صبر وسکون کے ساتھ حصول رضائے الٰہی کے لئے راہ کی تمام مشقتوں کو برداشت کرنا عشق کی انتہا اور عبدیت کاملہ کا مقصود ہے۔ اسی کو علامہ ضرب کلیم کے اندر دوسرے پیرائے میں اس طرح بیان کرتے ہیں ؎

شرع محبت میں عشرتِ منزل حرام

شورشِ طوفان حلال، لذتِ ساحل حرام

عشق پہ بجلی حلال، عشق پہ حاصل حرام

علم ہے ابن الکتاب، عشق ہے ام الکتاب

چونکہ سیر فی اللہ میں سالک کا مقصود اور مطلوب رضائے حق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت حسینؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں زندہ رہا تو نادم نہ ہونگا کیونکہ میں نے یہ فیصلہ بصیرت سے لیا ہے اور میں صبر کرونگا اور اگر لڑتے لڑتے میری جان نکل گئی تو دربار حق میں قابل ملامت نہ ہونگا کیونکہ میری گردن تائید حق کے لئے ہی کٹی ہوگی اور یہ سب کچھ میں نے ذوق خدائی کے تحت ہی کیا ہوگا۔ یہی ہے مطلب حضرت حسینؓ کے اس جملے کا کہ موت میں کسی جوان کے لئے عار نہیں جبکہ اس کی نیت خیر ہو۔ ذوق خدائی میں عبدیت کا یہ ولولہ اور سوز وساز صبر حسین سے تعبیر کیا گیا ہے اور علامہ اسی کیفیت کو عشق کا نام دیتے ہیں ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

بدر

چونکہ حضرت علامہؒ کے نزدیک عشق ایک ہنگامہ، شورش اور اضطراب کا نام ہے جس کو صرف حضرات عشاق کے عالم میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ اس شورش سے عاشق اور معشوق دونوں متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے لیکن اس شورش کا مرکز عاشق کا دل ہوتا ہے۔ جب عشق کا لاوا خوب پکتا ہے تو پھٹ جاتا ہے۔ جونہی پھٹتا ہے دنیائے عشق میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے اور اسی انقلاب سے عشاق کے قلوب میں ہنگامہ اور کھلبلی مچ جاتی ہے یہی ہنگامہ اور کھلبلی شاید عرفاء کے نزدیک قلب کا وجہ تسمیہ بنا۔ علامہ اسی تناظر میں ایک جگہ فرماتے ہیں۔

تہی از ہائے و ہو مے خانہ بودے
گل ما از شرر بیگانہ بودے
نبودی عشق و این ہنگامۂ عشق
اگر دل چوں خرد فرزانہ بودے

(عکس لالہ طور ص ۲۳)

(ترجمہ) اگر انسان کے اندر عشق کا مادہ نہ ہوتا تو یہ مئے خانہ آہ و فغاں سے بالکل خالی ہوتا اور ابن آدم کی مٹی (یعنی وجود آدم) آتشِ عشق کی چنگاریوں سے بیگانہ ہوتا نہ عشق ہوتا نہ عشق کے ہنگامے ہوتے اور انسان کا دل بھی عقل کی طرح فرزانہ ہوتا۔

واقعہ بدر کو اسی تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے کیونکہ "عقل سوچ کر چلنے کا نام ہے اور عشق چل کر دیکھنے کا نام ہے"۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

(اقبالؒ)

بدر کی طرف چلتے ہوئے جب حضورﷺ نے ذفران (صفراء کے قریب ایک وادی کا نام) میں پڑاؤ ڈالا تو آپﷺ کو خبر ملی کہ قریش اپنے تجارتی قافلے کی حفاظت کے لئے نکلے ہیں۔ حضرت رسول اللہﷺ نے صحابہ کرامؓ کو قریش مکہ کے عزائم سے آگاہ کیا تو حضرت ابو بکرؓ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے بہت اچھی بات کہی۔ پھر حضرت عمر ابن الخطابؓ کھڑے ہوئے اور

بہت اچھی بات کہی۔ پھر حضرت مقداد بن عمروؓ کھڑے ہوئے انھوں نے کہا:

"اے اللہ کے رسول ﷺ آپ اللہ کی رائے (حکم) کے مطابق چلتے رہئے ہم آپ کو بنی اسرائیل کی طرح جواب نہیں دیں گے جیسے انہوں حضرت موسیٰؑ کو جواب دیا تھا "فاذھب انت و ربك فقاتلا انا ھھنا قعدون (المائدہ ۵/۲۴) لیکن ہم یہ کہتے ہیں ۔آپ اپنے رب کے حکم سے لڑیں ہم بھی آپ کے ساتھ لڑیں گے ۔اللہ کی قسم! آپ ہمیں برق الغماد (مکہ سے پانچ راتیں دور سمندر کے پاس ایک جگہ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے یمن میں ایک جگہ ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ ہجر (بحرین) کے دور دراز علاقے میں ایک جگہ ہے) تک لے کر جائیں ہم آپ کے ساتھ جانے کو تیار ہیں۔"

اس کے بعد حضور ﷺ آگے چلے اور آخر کار بدر میں پڑاؤ ڈالا صحابہؓ ۳۱۳ تھے اور مقابل ۱۳۰۰ تھے اسی طرح سامان حرب و ضرب میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ لیکن عشق خدا و رسول ﷺ

میں مسلمان خدا کے منشا کو پورا کرنے کی خاطر اپنے محبوب رسول ﷺ کے ساتھ برق الغماد تک بھی جانے کے لئے تیار ہیں۔ جنگ ہونے کو ہے حضور ﷺ حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر جھونپڑی میں لوٹ آئے۔ تیسرا کوئی ساتھ نہ تھا اور اللہ سے اس فتح کی دعا کی جس کا وعدہ اللہ نے کیا تھا۔ دعا میں آپ کے الفاظ یہ تھے!

"اللھم ان تھلك ھذہ العصابة الیوم لا تعبد فی الارض"۔

(ترجمہ) اے اللہ آج اگر یہ گروہ ہلاک ہوگیا تو زمین پر تیری عبادت نہ ہو سکے گی۔

اس پر حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اللہ نے جو وعدہ آپ سے کیا ہے وہ یقیناً پورا کرے گا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن رواحہؓ سے الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ منقول ہے لیکن یہ اضطراب شہودی اطمینان حاصل کرنے کے لئے تھا اور صحابہؓ کا حضور ﷺ کو عرض کرنا کہ "اللہ کو اس کا وعدہ یاد دلانے کی اب ضرورت نہیں اس کی ذات اس کی یاددہانی سے بالا و اعلیٰ ہے" کی وجہ یہ تھی کہ وہ حضور ﷺ

کو اضطرابی حالت میں دیکھنا غایت محبت کی وجہ سے پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ اپنے محبوب کو ہر حال میں خوش وخرم دیکھنا چاہتے تھے۔ جب اللہ نے اس ولولے اور عشق کو دیکھا تو اس نے مٹھی بھر جماعت کو فتح سے نوازا۔ اسی طرف قرآن پاک کی یہ آیت مشیر ہے "ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلة فااتقوا اللہ لعلکم تشکرون ہ

حنین

جب حنین کے دن کفار نے اچانک حملہ کیا اور مسلمان خوفزدہ ہو گئے اور پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ صرف حضور ﷺ اور چند صحابہؓ ثابت قدم رہے اور بقول حضرت عباسؓ یہ چند صحابہ تعداد میں صرف دس تھے جس کی تصدیق حضرت عباسؓ کے ان اشعار سے بھی ہوتی ہے۔

نصرنا رسول اللہ فی الحرب و تسعة

و فرو من قد فر عنه فاقشعوا

و عاشرنا لاقی الحمام بنفسه

لما مسه فی اللہ لا یتوجع

(ترجمہ) ہم نو آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ کی مدد کی اور آپ ﷺ کو چھوڑ کر جو بھاگ گئے اور پھٹ گئے اور ہمارے دسویں آدمیوں نے موت کا مقابلہ اپنی جان سے کیا اور اللہ کی راہ میں اس کو جو دکھ پہنچا اس پر اس درد تک کا بھی اظہار نہیں کیا۔

باقی جو روایات میں سو (۱۰۰) اور اسی (۸۰) کی تعداد آئی ہے
ان اور عباسؓ والی روایت کی تطبیق طبرانی، حاکم اور ابو نعیم کی اس
روایت سے ہوتی ہے۔ جس میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے
بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے فرمایا حنین کے دن
میں حضرت رسول اللہ کے ساتھ تھا۔ جب لوگ حضور ﷺ کو چھوڑ کر
بھاگ پڑے تو میں اسی مہاجرین اور انصار کے ساتھ ثابت قدم رہا۔
تقریباً اسی (۸۰) قدم ہم بھی اپنے قدموں کے بل ہٹے تھے مگر ہم
نے دشمن کو پیٹھ نہیں دی۔ انہی اسی (۸۰) آدمیوں پر سکینہ نازل ہوا۔
اس طرح یہ بات ثابت ہوئی کہ جو لوگ بلکل اپنی جگہ سے نہ ہٹے
تھے وہ وہی دس لوگ تھے جن کا ذکر حضرت عباسؓ نے اپنے شعر میں
کیا ہے۔ ان دس کے ساتھ جو باقی اسی (۸۰) لوگ ثابت قدم رہے
وہ کیکر کے درخت کے نیچے بیعت کرنے والے اصحاب اور ابتدائی
انصار صحابہؓ تھے۔ یہ لوگ حضرت عباسؓ کی آواز سنتے ہی اس طرح
میدان جنگ کی طرف لوٹے جیسے مائیں اپنے بچوں کی طرف
مڑ جاتیں ہیں ان لوگوں نے خوب لڑا یہاں تک کہ شکست فتح میں

تبدیل ہوئی۔ اس تمام تر تفصیل سے جو سبق مستفاد ہوتا ہے وہ یہ ہے
کہ مقربین کو کسی بھی حال میں غیر اللہ پر نظر نہیں جمانا چاہئے اگر چہ
شرعی جنگی حکمت عملی فوجی ساز و سامان میں توازن پیدا کرنے کی
متقاضی ہے لیکن یہ عام حالات کے اعتبار سے ہے۔ اللہ کے خاص
بندوں اور متوکلین کا صرف کثرت اور ساز و سامان پر یقین کرنا اور
اترانا عشق و مستی کے مسلک کے خلاف ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
نے صحابہؓ کو پہلے فطری و امکانی عجب سے بھی پاک کیا پھر ان پر سکینہ
نازل کیا۔ مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ بیان القران میں فرماتے
ہیں ''اذ اعجبتکم الخ اس میں دلالت ہے کہ بندہ کو غیر اللہ پر نظر اور
عجب نہ کرنا چاہئے اور اس پر بھی دلالت ہے کہ ترک عجب سکینہ کا
سبب ہوتا ہے'' خلاصہ یہ کہ احکام قضا پر راضی رہنا اور فناء حظوظ نفس
کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی معیت کا مقام حاصل ہوتا ہے اور یہی عشق
کی حقیقت و منتہیٰ ہے۔ اللہ مجھ سیاہ کار کو بھی نصیب کرے۔ (آمین)

عبدیت

فقر سے ولایت تک

علامہ کا فقر عبدیت کے تناظر میں

فقر کا مفہوم: جہاں تک لفظ فقر کا تعلق ہے خالص عربی ہونے کی وجہ سے یہ لفظ قرآن میں بھی استعمال ہوا ہے اور اسی تعلق سے اسلامی تصوف میں اس لفظ کو ایک اہم اور نمایاں شہرت حاصل ہوئی ہے۔

فقر کے لغوی معنیٰ احتیاج کے ہیں۔ اس کی اصطلاحی اور معنوی اعتبار سے چار صورتیں ہو سکتی ہے۔

نمبر ۱: فقر بمعنی احتیاج طبعی یعنی ضرورت مند ہونا خواہ رفع ضرورت کے وسائل حاصل ہوں یا نہ ہوں۔ فقر کی یہ قسم نہ صرف تمام انسانوں کو بلکہ جملہ موجودات کو عام ہے اس دنیا کا ہر موجود (Existing Being) چونکہ ممکن (Created Being) ہے اس لئے اپنے وجود و بقاء اور عدم میں خداوند تعالیٰ کا محتاج ہے کہ محض اس کی مشیت سے ہی کوئی معدوم چیز وجود پذیر ہوئی ہے اور وجود میں آنے کے بعد جب تک اللہ تعالیٰ اس کو باقی رکھنا چاہتا ہے باقی رہتی ہے اور جب وہ حاکم ازلی اس کے حق میں فنا و عدم کا فیصلہ کر دیتا ہے فنا ہو جاتی ہے۔ یا ایھا الناس انتم الفقرآء الی اللّٰہ" یعنی اے لوگو تم

اللہ کی طرف محتاج ہو" میں فقر سے یہی مراد ہے۔

نمبر ۲: فقر شرعی یعنی زکواۃ کے بقدر مال کا مالک نہ ہونا۔ انما الصدقات للفقراء و المساکین یعنی "صدقات فقیروں اور مسکینوں ہی کے لئے ہیں" میں یہی فقر شرعی مراد ہے۔

نمبر ۳: فقر نفس یعنی حرص وحوس کا مسلط ہونا۔ آنحضرت ﷺ کے ارشاد وکاد الفقر ان یکون کفرا یعنی "فقر قریب ہے کہ کفر بن جائے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد "الشیطان یعدکم الفقر و یأمرکم با الفحشآء الخ" میں اس طرف اشارہ ہے

نمبر ۴: فقر الی اللہ یعنی انسان کا خود کو اللہ تعالیٰ کا محتاج سمجھنا اور اسے ہی اپنا کفیل وکارساز باور کرنا۔ دعائے نبی ﷺ اللھم اغننی بالافتخار الیک ولا تفقرنی با افتقار عنک " اے معبود مجھے صرف اپنا محتاج بنا کر ماسوا سے بے نیاز کردے اور اپنے سے بے نیاز کر کے دوسروں کا محتاج نہ بنا" میں اسی فقر کی طرف اشارہ ہے۔ یہ فقر تصوف کا اعلیٰ مقام ہے عارف اور سالک اسی فقر میں پہنچنے کے لئے راہ تصوف یا سلوک

اختیار کرتے ہیں کیونکہ اس کے نزدیک یہی کیفیت محمود و مطلوب ہوتی ہے۔

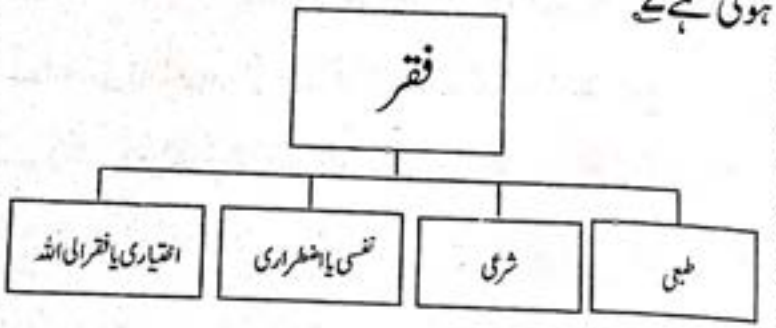

پہلی دو قسموں کو یکسو چھوڑ کر بقیہ دو پر توجہ دینے کی ضرورت ہے تاکہ ہمارا کام آسان ہو جائے کیونکہ علامہ نے آخری دو فقر کو ہی اپنی شاعری کا موضوع بحث بنایا ہے۔ جہاں تک فقر الی اللہ کا تعلق ہے کو ہم آسان زبان میں فقر اختیاری سے تعبیر کر سکتے ہیں کیونکہ غنی ہونے کے باوجود سالک تَرَفُّہ و تنعم سے بر کنار رہنا اور سادگی سے زندگی گذارنا پسند کرتا ہے اپنی ضرورت سے زائد اشیاء کو اللہ کے راستہ میں لٹا دیتا ہے یہ فقر محمود ہے اور تمام انبیاء، صحابہؓ، اولیاءؒ اور صوفیاء اتقیاءؒ کی قابل تقلید سنت ہے۔ احادیث میں جس فقر کی تعریف آئی ہے وہ یہی ہے اور علامہ اقبالؒ بھی اسی فقر

کی دعوت دیتے ہیں۔ رہی بات فقر نفسی کی یہ اضطراری بھی ہوسکتا ہے۔ اضطراری فقر سے مراد انسان کا مفلس وکلاش ہونا اور ضرورت کے مطابق وسائل رزق سے محروم ہونا۔ کاد الفقر ان یکون کفرا میں اسی فقر کی طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح یہ فقر آدمی پر حرص و حوس کا غالب ہونا بھی ہوسکتا ہے جس میں آدمی اپنی راحت کی فکر میں لگ جاتا ہے اور مال کو جمع کرتا رہتا ہے اور حب مال کو حب خدائی پر ترجیح دیتا ہے۔ اس فقر کی بدولت آدمی اپنے دین وایمان سے ہاتھ دھوتا ہے یہی فقر مذموم ہے اور علامہ اسی فقر کی مذمت کرتا ہے۔ فقر و راہبی کے عنوان کے تحت علامہؒ فرماتے ہیں

کچھ اور چیز ہے شاید تیری مسلمانی
تیری نگاہ میں ہے ایک فقر و رہبانی
سکون پرستی راہب سے فقر ہے بیزار
فقیر کا ہے سفینہ، ہمیشہ طوفانی
پسند روح و بدن کی ہے وانمود اس کی

کہ ہے نہایت مومن خودی کی عریانی
وجود صیرفیٔ کائنات ہے اسکا
اسے خبر ہے یہ باقی ہے اور وہ فانی
اسی سے پوچھ کہ پیش نگاہ ہے جو کچھ
جہاں ہے یا کہ فقط رنگ و بو کی طغیانی
یہ فقر مرد مسلمان نے کھو دیا جب سے
رہی نہ دولت سلمانیؓ نہ سلیمانی

یہاں علامہ اقبالؒ فقر اور رہبانیت کا فرق واضح کرتے ہیں۔ علامہ کے یہاں مسلمان کا فقر دنیا سدھار ہوتا ہے، یہ اختیاری ہوتا ہے اور اس کی بنیاد مجاھدہ اور توکل پر ہوتی ہے نہ کہ ترک دنیا پر۔ فقیر خدا آرام طلب نہیں ہوتا ہے وہ راہ سلوک کو طے کرنے کے لئے ہمیشہ اپنے آپ کو مجاہدہ میں رکھتا ہے اور کبھی آرام کی نیند سونا پسند نہیں کرتا۔

اندر ایں راہ می تراش و می خراش
تا دمے آخر دمے غافل مباش (حضرت مدنیؒ)

(ترجمہ) راہ حق میں تو ہمیشہ کوشاں رہ اور اس کوشش کے معاملے میں
موت تک غافل مت رہ۔

لہٰذا تراش و خراش اس کا مسلک و مشرب ہوتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے جد وجہد اور نفس کشی ہی ایک سالک کو کامیابی سے ہمکنار کر سکتی ہے جیسا کہ والذین جاھدو افینا لنھدینھم سبلنا اسی پر دال ہے۔اسی فقر کو حضور ﷺ نے اپنے لئے پسند فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ''الفقر فخری'' الحدیث۔ اس کے برعکس غیر مسلموں کا فقر آرام طلبی پر مبنی ہے وہ اپنی کشتی کو طوفانی لہروں سے ٹکرانے کی ہمت نہیں رکھتے ہیں۔جبکہ کشتی کو پار کرنے کے دوران طوفانی لہروں میں سے گزرنا ایک اتفاقی امر (An accepted fact) ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ کنارہ کشی ہی میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے اندر مقابلہ کی ہمت (Potential) نہیں ہوتی۔

اسلامی تصوف میں نفس مارنے کی ترغیب دی گئی ہے کیونکہ نفس برائی کا حکم کرتا ہے (ان النفس لا ماوة با لسوء)۔اس کے برعکس غیر اسلامی تصوف میں نفس کے بجائے بدن کو کمزور کیا جاتا

ہے۔وہ بدن کی جائز ضرورتوں کو ناجائز تصور کرتے ہیں۔جبکہ یہاں بدن کا پورا خیال کیا جاتا ہے ''انّ لنفسکَ علیکَ لحقٌ'' مشہور حدیث اسی پر دال ہے۔اپنے نفس کو محرمات سے باز رکھنے کا نام مجاھدہ اور اسی کی برکت سے مسلمان صوفی کو عرفی کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔اب اس پر کائنات کی تمام موجودات کی اصلیت منکشف ہو جاتی ہے اسی کشف کی بدولت یہ ہر چیز (شیی) کی بقا اور فنا یعنی ماہیت سے آگاہ ہو جاتا ہے۔اور ختم ہونے والی چیزوں سے اعراض کرتا ہے اس کے برعکس روح عبدیت سے خالی فقیر اپنے اندھے پن اور ترک دنیا کی وجہ سے کھرے اور کھوٹے میں تمیز نہیں کر سکتا ہے۔علامہ کہتے ہیں کہ چونکہ فقیر خدا کو مجاہدہ تامہ کی بدولت دنیا کی ماہیت کا پتہ چلتا ہے لہٰذا اس کی نظر میں اب یہ بات پوشیدہ نہیں رہتی کہ دنیا ایک سراب اور رنگ و بو کی پر ہنگامہ تصویر ہے بقا صرف اللہ کی ذات میں ہے لہٰذا اس کا مذہب اور عقیدہ ''ما عند کم ینفد و ما عند اللہ باق'' (القرآن) بنتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ مذموم دنیا سے پرہیز کرتا ہے اور دنیا میں رہ کر

اپنی ایک ایسی دنیا سجاتا ہے جو مثالی فکر و عمل سے عین دین بن جاتی ہے۔ جب سے مسلمانوں نے اس فقر کو اختیار کرنا چھوڑ دیا وہ تقوے ،تزکیہ، جہاں داری اور جہاں بانی کی نعمتوں سے محروم ہو گئے۔

فقرِ غیور

علامہؒ جیسا کہ پہلے واضح ہوا داعی الی الفقر تھے۔ علامہ نے لفظ فقر کے ساتھ غیور کا اضافہ کیا۔ ان کو اس کی ضرورت شاید اس لئے محسوس ہوئی کیونکہ لوگ فقر اور گدائی کو ایک معنیٰ میں لیتے تھے ۔جیسا کہ اوپر واضح ہو چکا فقیر خدا کا مقصود مقام بقا باللہ تک پہنچنا ہوتا ہے اس لئے وہ ہر اس مشغولیت کو ترک کرتا ہے جو اس کو مقام مقصود تک پہنچنے میں مانع بنے۔ اسی لئے وہ اس چیز کو بھی ترک کرتا ہے جس سے متعلق اس کو یہ شبہ ہو جائے کہ اس میں پڑ کر اس کے فقر پر آنچ آسکتی ہے۔ اسی تناظر میں حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ اصحاب ورع کا مزاج یوں بیان فرماتے ہیں۔

چیست تقویٰ ترک شبہات وحرام
ازلباس و ازشراب وازطعام
ہرچہ افزونست اگر باشد حلال
نزد اصحاب ورع باشد وبال

یہ بات اصحاب فقر و ورع کے غیرت فقر و ورع کے خلاف

اپنی ایک ایسی دنیا سجاتا ہے جو مثالی فکر و عمل سے عین دین بن جاتی ہے۔ جب سے مسلمانوں نے اس فقر کو اختیار کرنا چھوڑ دیا وہ تقوے، تزکیہ، جہاں داری اور جہاں بانی کی نعمتوں سے محروم ہو گئے۔

فقرِ غیور

علامہؒ جیسا کہ پہلے واضح ہوا داعی الی الفقر تھے۔ علامہ نے لفظ فقر کے ساتھ غیور کا اضافہ کیا۔ ان کو اس کی ضرورت شاید اس لئے محسوس ہوئی کیونکہ لوگ فقر اور گدائی کو ایک معنیٰ میں لیتے تھے۔ جیسا کہ اوپر واضح ہو چکا فقیر خدا کا مقصود مقام بقا باللہ تک پہنچنا ہوتا ہے اس لئے وہ ہر اس مشغولیت کو ترک کرتا ہے جو اس کو مقام مقصود تک پہنچنے میں مانع بنے۔ اسی لئے وہ اس چیز کو بھی ترک کرتا ہے جس سے متعلق اس کو یہ شبہ ہو جائے کہ اس میں پڑ کر اس کے فقر پر آنچ آسکتی ہے۔ اسی تناظر میں حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ اصحاب ورع کا مزاج یوں بیان فرماتے ہیں۔

چیست تقویٰ ترک شبہات و حرام
از لباس و از شراب و از طعام
ہر چہ افزونست اگر باشد حلال
نزد اصحاب ورع باشد وبال

یہ بات اصحاب فقر و ورع کے غیرت فقر و ورع کے خلاف

ہے کہ زاید از ضرورت دنیا ان کے سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کے سفر میں کسی قسم کی رکاوٹ ڈالے۔ کیونکہ فقر کے ہتھیار سے ہی وہ ہر باطل سے ٹکراتے ہیں اور طوفانی لہروں سے لڑ لڑ کر اپنے سفینہ کو ہم کنار کرتے ہیں۔ اس کی سادہ مثال حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی ہمت و استقلال کا وہ یادگار کردار ہے جو انھوں نے معتصم باللہ کے جبر و استبداد کے خلاف دکھا کر امت کو ایک عظیم فتنے سے بچالیا۔ المعتصم کا زمانہ چونکہ اعتزال کا تھا لہٰذا حکومت کی پالیسی امام صاحب کے خلاف ہمیشہ جابرانہ رہی۔ المعتصم کی وفات کے بعد الجعفر المتوکل نے عقیدۂ خلق قران کی تردید کی۔ امام صاحبؒ کو رہا کیا اور بقول حافظ ابن جوزیؒ متوکل پر یہ فکر غالب ہوئی کہ کسی طرح میرے باپ کے ان مظالم جو انھوں نے امامؒ پر ڈھائے تھے کی تلافی ہو جائے۔ لہٰذا تحائف کا سلسلہ شروع کیا۔ ایک مرتبہ ایک لاکھ درہم پیش خدمت کئے اور سخت اسرار کیا کہ اس کو قبول

اصرار

کر لیجئے لیکن امام موصوف قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہلا بھیجا کہ میں اپنے مکان میں اپنے ہاتھ سے اس قدر کاشتکاری کرتا ہوں جو میری ضرورت کے لئے کافی ہے اس بوجھ کو اٹھا کر کیا کروں گا۔ عرض کیا گیا کہ اپنے لڑکے کو حکم دیجئے کہ وہ قبول کر لیں۔ فرمایا وہ اپنی مرضی کا مختار ہے۔ لیکن جب عبداللہؒ سے کہا گیا تو انھوں نے بھی واپس کر دیا۔ اسلاف کے فقر کی یہی تاریخ حضرت علامہؒ کے سامنے تھی اور وہ اسے یاد کر کے بے ساختہ اس طرح جھوم اٹھے

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا
خوار جہاں میں کبھی ہو نہیں سکتی وہ قوم
عشق ہو جس کا جسور فقر ہو جسکا غیور

ہے کہ زاید از ضرورت دنیا ان کے سیر الی اللہ اور سیر فی
اللہ کے سفر میں کسی قسم کی رکاوٹ ڈالے۔ کیونکہ فقر کے
ہتھیار سے ہی وہ ہر باطل سے ٹکراتے ہیں اور طوفانی
لہروں سے لڑلڑ کر اپنے سفینہ کو ہم کنار کرتے ہیں۔ اس کی
سادہ مثال حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی ہمت و استقلال کا
وہ یادگار کردار ہے جو انھوں نے معتصم باللہ کے جبر و
استبداد کے خلاف دکھا کر امت کو ایک عظیم فتنے سے بچالیا۔ المعتصم
کا زمانہ چونکہ اعتزال کا تھا لہٰذا حکومت کی پالیسی
امام صاحب کے خلاف ہمیشہ جابرانہ رہی۔ المعتصم کی
وفات کے بعد الجعفر المتوکل نے عقیدۂ خلق قران کی
تردید کی۔ امام صاحبؒ کو رہا کیا اور بقول حافظ ابن
جوزیؒ متوکل پر یہ فکر غالب ہوئی کہ کسی طرح میرے باپ
کے ان مظالم جو انھوں نے امامؒ پر ڈھائے تھے کی تلافی ہو
جائے۔ لہٰذا تحائف کا سلسلہ شروع کیا۔ ایک مرتبہ ایک
لاکھ درہم پیش خدمت کئے اور سخت اسرار کیا کہ اس کو قبول

اصرار

کر لیجئے لیکن امام موصوف قبول کرنے سے انکار کر دیا اور
کہلا بھیجا کہ میں اپنے مکان میں اپنے ہاتھ سے اس قدر
کاشتکاری کرتا ہوں جو میری ضرورت کے لئے کافی
ہے اس بوجھ کو اٹھا کر کیا کروں گا۔ عرض کیا گیا
کہ اپنے لڑکے کو حکم دیجئے کہ وہ قبول کر لیں۔ فرمایا
وہ اپنی مرضی کا مختار ہے۔ لیکن جب عبداللہؒ سے کہا
گیا تو انھوں نے بھی واپس کر دیا۔ اسلاف کے
فقر کی یہی تاریخ حضرت علامہؒ کے سامنے تھی اور
وہ اسے یاد کر کے بے ساختہ اس طرح جھوم اٹھے

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا
خوار جہاں میں کبھی ہو نہیں سکتی وہ قوم
عشق ہو جس کا جسور فقر ہو جسکا غیور

مومن پہ گراں ہے شب و روز
دین و دولت قمار بازی
ہمت ہو اگر تو ڈھونڈ وہ فقر
جس فقر کی اصل ہے حجازی
اس فقر سے آدمی میں پیدا
اللہ کی شان بے نیازی
یہ فقر غیور جس نے پایا
بے تیغ و سناں ہے مرد غازی
مومن کی اسی میں ہے امیری
اللہ سے مانگ یہ فقیری

شان بے نیازی اللہ رب العزت کی صفت ہے جیسا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "و اللہ الغنی و انتم الفقراء" (سورۃ محمد) جب اس صفت ایزدی کا پرتو بندہ مومن پہ پڑتا ہے تو وہ بھی دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اب اس کا مقصود اللہ، مسجود اللہ اور معبود اللہ بن جاتا ہے۔ اس طرح اپنی ذات کو غیر اللہ

سے کاٹ کر اور اللہ کو مقصود و معبود سمجھتے ہوئے زاید از ضرورت حلال اور مباح اشتغال فی الدنیا کو قربت حق میں رکاوٹ جانتے ہوئے اس سے اپنی ذات کو بچانے کی خاطر استغناء اختیار کرتا ہے اور اسی کا نام فقر غیور ہے۔

سماں الفقر فخری کا رہا شان امارت میں
بہ آب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبارا

فقر بمعنی فنائے نفسی

چونکہ عبدیت کی ابتداء فقر سے ہوتی ہے اور اس کی انتہاء ولایت تام ہے لہٰذا علامہ نے اس ابتدائی اعتبار کی دعوت بڑے زور وشور سے دی ہے۔ جیسا کہ اوپر واضح ہو چکا ہے کہ فقر کے اختیار کرنے سے آدمی کو غنا حاصل ہو جاتا ہے لہٰذا شرعی غنا فنائے نفس کے اس مقام کو کہتے ہیں جہاں سالک مخلوقات کی جانب رجوع کرنے کے بجائے رب واحد کو اپنا ملجا و ماویٰ بناتا ہے۔ فنائے نفس ہی وہ استعداد ہے جس کو حضرت مجددؒ الف ثانی نے امانت یعنی تجلیات ذاتیہ کو قبول کرنے کی استعداد بتایا ہے۔ یہ استعداد حضرت رب العزت نے ماہیت انسانیہ میں ودیعت رکھی ہوئی ہے۔ جہاں تک علامہؒ کا تعلق ہے وہ فنائے نفس اور امانت کو لا الٰہ الا اللہ کی تفسیر بتاتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر یوں کہئے کہ لا الٰہ سے ہر وجود کی نفی یہاں تک کہ اپنے وجود کی نفی بھی ہو جاتی ہے یہی فقر کی انتہا ہے۔ الا اللہ سے وجود رب کا اثبات ہوتا ہے۔ یا یوں کہئے ''ذات عبد فقیر محض ہے، اصالۃً وجود اس کا نہیں، صفات وجودیہ اس کے نہیں افعال اس کے نہیں، مالکیت

حاکمیت اس کی نہیں اس میں وجود وانا صفات وانا مالکیت وحاکمیت من حیث الامانت پائے جاتے ہیں'' ۸ اس قسم کی خود معارفت ذات یا فنائے نفسی کو علامہ نے ایک مخصوص انداز میں اس طرح بیان کیا ہے۔

خودی کا سرِ نہاں لا الٰہ الا اللہ
خودی ہے تیغ، فساں لا الٰہ الا اللہ
یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الٰہ الا اللہ
کیا ہے تو نے متاع غرور کا سودا
فریب سود و زیاں لا الٰہ الا اللہ
یہ مال و دولت یہ دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتان وہم و گمان لا الٰہ الا اللہ
خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری
نہ ہے زمان و مکان لا الٰہ الا اللہ

یہ نغمہ فصلِ گل ولالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الٰہ الا اللہ

ان اشعار میں علامہ فرماتے ہیں کہ خودی کا بھید لا الٰہ الا اللہ ہے۔ یہی وہ تلوار ہے جس کو تیز کرنے والی سان لا الٰہ الا اللہ ہے دور حاضر جو علمی اعتبار سے ایک بت کدہ کی شکل اختیار کر گیا ہے اپنے ابراہیم (صدق خلیل کو اس جگہ مدنظر رکھنے کی ضرورت ہے) کی تلاش میں ہے۔ ابراہیم سے اشارہ ایسے مرد خدا کی طرف ہے جو اسباب کی نفی کر کے مسبب الاسباب کی طرف دعوت دیے اور قولاً وفعلاً ثابت کر کے دے کہ حقیقی معبود حضرت اللہ جل شانہٗ ہے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ اے نادان تو نے مادی دولت کے ساتھ سودا کیا اور اس کے نفع کو نفع اور نقصان کو نقصان سمجھ بیٹھا ہے حالانکہ یہ حقیقت میں سراب ہے اور اصل چیز حضرت اللہ جل شانہٗ کی ذات والا صفات ہے۔ اس مادی دنیا کے تمام اعتبارات چاہے مال ہو، دولت ہو یا

رشتہ وقرابت داری وہم وگمان کے بت ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ ان سے تعلق استوار کرنا آدمی کے تعلق مع اللہ کے راستہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے اصل بقا صرف اور صرف اللہ کی ذات اقدس کی ہے لہٰذا اسی سے لو لگا تا کہ تو بھی غیر فانی بن جائے۔ جب تو الا اللہ کا نغمہ گائے گا تو دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جائے گا اور تو بقا باللہ کے اس مقام پر پہنچے گا کہ پھر نہ تجھے پھلنے اور پھولنے کے لئے کسی بہار کی ضرورت ہے اور نہ ہی تیری ذات اور وجود کو کوئی خزاں متاثر کر سکتی ہے۔ آخر میں علامہ کہتے ہیں کہ اگر اس وقت دنیا اس بات سے نا آشنا ہے اور نقشوں میں کھوئی ہوئی ہے لیکن ہم امین ہیں لہٰذا ہمیں بحکم الٰہی اداء امانت کا فریضہ انجام دینا ہے اور وہ یہی ہے کہ ہم جام عشق اور تجلیات الٰہیہ کی دعوت دیں بقول حافظ ؎

آسمان بار امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

(دیوان حافظ صفحہ نمبر ۱۵۰)

اس طرح ایک عبد مسلم اعتبار فقر سے امانت کے اعتبار میں

داخل ہو جاتا ہے۔امانت کیا ہے؟اس کو مختلف علماء اور صلحاء نے کس طرح واضح کرنے کی کوشش کی؟ یہ ایک دلچسپ موضوع ہے اس پر ہم اس امید کے ساتھ سیر حاصل بحث کریں گے کہ یہ ناقص کوشش قارئین کے لئے شافی ونافع ثابت ہو۔

امانت

جہاں تک لفظ امانت کا تعلق ہے یہ دراصل اس چیز کو کہتے ہیں جس کا کسی کو ذمہ دار اور امین ٹھہرایا جائے۔قران کریم میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ایت اسطرح ہے انا عرضنا الامنت علیٰ السمٰوات االارض و الجبال فابین ان یحملنها و اشفقن منها و حملها الانسان الخ (ترجمہ) ہم نے امانت کو آسمانوں ،زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کیا انھوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کیا اور ڈرے مگر انسان نے اسے اٹھالیا۔اس کی تشریح میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔امام راغبؒ لکھتے ہیں کہ اس سے کلمہ التوحید مراد ہے۔بعض علماء کے نزدیک عدالت،لکھنا پڑھنا اور شریعت مطہرہ مراد ہے۔فتوحات میں لکھا ہے کہ امانت سے ''اسماء حسنیٰ کے ساتھ متصف ہونا مراد ہے''9 ۔بیضاوی نے لکھا ہے''شاید امانت سے عقل یا تکلیف شرعی مراد ہے''۔عقل کو امانت اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ ''عقل قوت غضبیہ وشہوانیہ کی نگران ہے دونوں کو حدود شرعیہ سے آگے بڑھنے اور تجاوز کرنے سے روکتی ہے۔شرعی احکام کا اصلی

مقصد ہی غضبیہ اور شہوانیہ قوتوں کو اعتدال پر لانا ہے..." اسی طرح "طاعت کو امانت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ امانت واجب الرد ہوتی ہے (لہٰذا) طاعت کا ادا کرنا بھی امانت کی طرح واجب ہے"[10] مذکورہ بالا اقوال کی روشنی میں امانت کے متعلق ذیل کے دو اقوال زیادہ زوردار معلوم ہوتے ہیں کیوں کہ ان پر زیادہ تر علماء کا اتفاق ہے:

۱۔ حدود شرعیہ کی پابندی۔

۲۔ اسماء حسنیٰ سے اپنی ذات کو متصف کرنا۔

خیر علامہؒ کی شاعری میں دونوں شقوں پر کافی مواد ملتا ہے۔ حضرت علامہ فرماتے ہیں کہ ایک مرد مومن مختلف اور متضاد صفات کا حامل ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ زمیں پر بحیثیت خلیفہ اور نائب کے رہ رہا ہے۔ چونکہ خلیفہ اور نائب اپنے شیخ و مرشد کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ لہٰذا بحیثیت خلیفہ اس کا اللہ تعالیٰ کے صفات و احوال کا مظہر ہونا امر لابدی ہے۔ جس مومن میں صفات ربانی کا پرتو ہوگا اس کو علامہ کامل مسلمان کہتے ہیں ؎

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

غفاری صفت کے ذیل میں کشادہ قلبی، عفو و درگذر اور حلم و بردباری وغیرہ اوصاف آتے ہیں۔ قہاری صفت دین حق کے بارے میں شدت، کفر و باطل پر غصہ و غضب، ظلم و بربریت پر برانگیختہ ہونا وغیرہا اوصاف کا مجموعہ ہے۔ پاکی و پاک دامنی اور پاک نفسی صفت قدوسیت کی آئینہ دار ہے۔ غلبہ و قوت صفت جبروتی کی آئینہ دار ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ زمان و مکان کی قید سے پاک ہے اس کا کئی مقام کوئی خاص جگہ نہیں ہے لہٰذا مومن کے جہاں کی بھی کوئی حد نہیں ہے بلکہ اس کا مقام ہر کسی جگہ ہے کیونکہ اس کا یقین اس بات پر ہوتا ہے کہ یہ تمام کائنات اللہ کی ہے اور میں بھی اس کا ہوں لہٰذا ساری دنیا میرا وطن ہے ؎

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے
مومن کا مقام ہر کہیں ہے

اس طرح مومن کے رنگ و بو کا اصلی مرکز صبغۃ اللہ ہے۔اس نقطے کی وضاحت علامہ ان اشعار میں کرتے ہیں۔

مرد حق از کس نگیرد رنگ و بو

مرد حق از حق پذیرد رنگ و بو

ہر زمان اندر تنش جان دگر

ہر زمان اورا چو حق شان دگر

یعنی مرد حق (فقیر کامل) کسی اور سے رنگ و بو حاصل نہیں کرتا وہ صرف حق تعالیٰ ہی سے رنگ و بو حاصل کرتا ہے۔ ہر وقت اس کے بدن میں ایک نئی روح جلوہ گر ہوتی رہتی ہے اور ہر ساعت حق تعالیٰ کی طرح اس کی نئی شان ظہور کرتی ہے۔

اسی تناظر میں علامہؒ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ میں مادی ہوں لیکن میں نے مادے سے اپنا اختیاری تعلق منقطع کیا ہے اور اب میرے اندر وہ اوصاف پیدا ہوئے ہیں جو مادی نہیں کیونکہ فطرت نے میرے اندر تجلیات ذاتیہ سے متصف ہونے کی صلاحیت ازل سے رکھی ہے ۔

فطرت نے مجھے بخشے ہیں جوہر ملکوتی

خاکی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند

مومن استغنائیت کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچنے کے بعد گفتار اور کردار میں حضرت اللہ جل شانہٗ کی برہان بن جاتا ہے۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن

گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

ہر لحظہ نیا طور نئی برق تجلی

اللہ کرے مرحلہ شوق نہ ہو طے

علامہؒ کے ان اشعار سے اسماء حسنیٰ سے متصف ہونے کی دعوت کے ساتھ ساتھ یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ مومن تب تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ خدا کے اسماء حسنیٰ سے عملی نسبت پیدا نہ کرے۔ کیونکہ اسماء و صفات کا عقیدہ اسلام میں کوئی نظری یا خیالی تصور نہیں بلکہ اس کو اسلام میں ایک عملی حیثیت اور مقام حاصل ہے ۔لہٰذا انسان کی عملی زندگی اوصاف خداوندی کے عکس اور پرتو کے مطابق ہونی چاہئے۔اپنی ذات کی تکمیل کے لئے اس کو اسماء حسنیٰ

سے نسبت پیدا کرنا ہوگی۔ایک حدیث میں آیا ہے کہ"ان اللہ خلق ادم علی صورتہ" یعنی خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا اگر چہ ذات باری ہر قسم کی تجسیم وتشبیہ سے پاک ہے تاہم یہاں اس سے جسمانی شکل نہیں بلکہ معنوی شکل وصورت اور عکسی صفات خداوندی مراد ہے۔لہٰذا تمام اصحاب معرفت کی طرح علامہؒ نے بھی "تخلقو باخلاق اللہ" کی دعوت بڑے زور وشور سے دی ہے۔علامہؒ کے روحانی مرشد حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ ہیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ علامہؒ نے اپنے مرشد کے مسلک کی ترجمانی کی ہے۔علامہ کی بات کو ان کے مرشد کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

آدم اسطرلاب اوصاف علواست
وصف آدم مظہر ایات اوست
ہر چہ در وے می نماید عکس اوست
ہر چہ عکس ماہ اندر آب جوست
خلق راچوں آب داں صاف وزلال
ندر و تاباں صفات ذوالجلال

احکام الٰہی کی پابندی

اوصاف باری تعالیٰ سے متصف مومن اپنے آپ کو صرف اور صرف احکام الٰہی کا پابند کرتا ہے کیونکہ اس کو معلوم ہے کہ ہماری تقدیر کو اللہ تعالیٰ نے احکام یعنی اعمال الٰہی سے جوڑا ہے جیسا کہ آیت "ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم" (القران) دلالت کرتی ہے۔اسی طرح حدیث اعمالکم عمالکم بھی اسی بات کو ثابت کرتی ہے۔کہ اللہ نے حالات کے تغیر وتبدل کو احکام واعمال سے ایک خاص قسم کا جوڑ رکھا ہے۔وہ (مومن) یہ بھی جانتا ہے کہ احکام الٰہی کی پابندی یعنی اداء امانت سے ہی انسان خلافت کا مستحق بن جاتا ہے کیونکہ احکام الٰہی کی پابندی مقصود ہے اور خلافت موعود، جیسا کہ "وعد اللہ الذین آمنوا منکم و عملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض" سے ظاہر ہے۔یہی وجہ ہے کہ حضرت علامہ اقبالؒ احکام الٰہی اور عمل صالحہ پر زور دیتے ہیں۔وہ کہتے ہیں جو لوگ تقدیر کا بہانہ بنا کر عمل سے بے گانہ ہو جاتے ہیں خود کو بھی دھوکہ

دیتے ہیں اور خدا کو بھی دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کرتے ہیں ۔

خبر نہیں کیا نام اس کا خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ہوا مسلمان بنا کے تقدیر کا بہانہ

(اقبال)

اب ہم اب ان اشعار کو قارئیں کے نظر کریں گے جن میں علامہ عمل، جد و جہد اور تراش و خراش (اصلاح احوال) کی دعوت دیتے ہیں ۔

پابندی تقدیر کہ پابندی احکام
یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مرد خرد مند
اک آن میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر
نے اسکا مقلد ابھی ناخوش ابھی خورسند
تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکام الٰہی ہے کا پابند

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے
یقین محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہے یہ مردوں کی شمشیریں
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن
تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
تیرے سامنے آسمان اور بھی ہے
وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

فارسی اشعار:

تا بع حق ، دیدنش ، نا دیدنش
خوردنش ، نوشیدنش ، خوابیدنش
قرب حق از ہر عمل مقصود دار
تا ز تو گردد جلالش آشکار

مذکورہ بالا اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علامہ حدود شرعیہ اور عمل کی تلقین پر جوش انداز میں کرتے ہیں۔ تاہم علامہ رسمیت کی مخالفت بھی اسی انداز میں کرتے ہیں۔ وہ اعمال میں روح پیدا کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور زور دار انداز میں کہتے ہیں کہ یہ اخلاص و احسان کی محرومیت کا نتیجہ ہے کہ فرد ناہمواریت اور ملت بحیثیت مجموعی بد انتظامی کی شکار ہوئی ہے۔ جب بقول علامہؒ مسلمانوں کی نمازیں اور اسی طرح باقی اعمال لا الہ کے سوز سے خالی ہوئیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امت مسلمہ کا شیرازہ بکھر گیا۔ علامہ کے پرسوز اشعار اس طرح ہیں ۔

لا الہ اندر نمازش بود نیست
نازہا اندر نمازش بود نیست
نور در صوم و صلواۃ او نماند
جلوۂ در کائنات او نماند
تا جہاد و حج نماند از واجبات
رفت جان از پیکر صوم و صلواۃ

روح چوں رفت از صلواۃ و از صیام
مرد ناہموار و ملت بے نظام
صاحب قرآن و بے ذوق طلب
العجب، ثم العجب، ثم العجب

اسی طرح ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برق طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسم اذاں روح بلالیؓ نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

مختصراً یہ کہ امانت دو چیزوں کا مجموعہ ہے ایک اسماء حسنیٰ سے اپنی ذات کو متصف کرنا دوسرا احکام حق سے وفا یا اعمال صالحہ کرنا۔ علامہ کے نزدیک کامل انسان کے لئے ان دو چیزوں کا ہونا از حد ضروری ہے۔ ان ہی دو چیزوں سے آدمی بقیہ دو نعمتوں سے نوازا

جاتا ہے۔اول الذکر سے آدمی خلافت سے نوازا جاتا ہے اور آخر الذکر کی وجہ سے آدمی ولایت سے نوازا جاتا ہے۔یا صاحب ''قرآن اور تصوف'' کے الفاظ میں یوں کہیے کہ ''جب وہ (بندہ) امانت الٰہیہ کا استعمال کائنات کے مقابلہ میں کرتا ہے تو خلیفۃ اللہ کہلاتا ہے اور جب حق تعالیٰ کے مقابلہ میں کرتا ہے تو ولی ہوتا ہے''[1] اس تفصیل کو ہم ذیل کے نقشہ سے عام فہم انداز میں سمجھ سکتے ہیں:

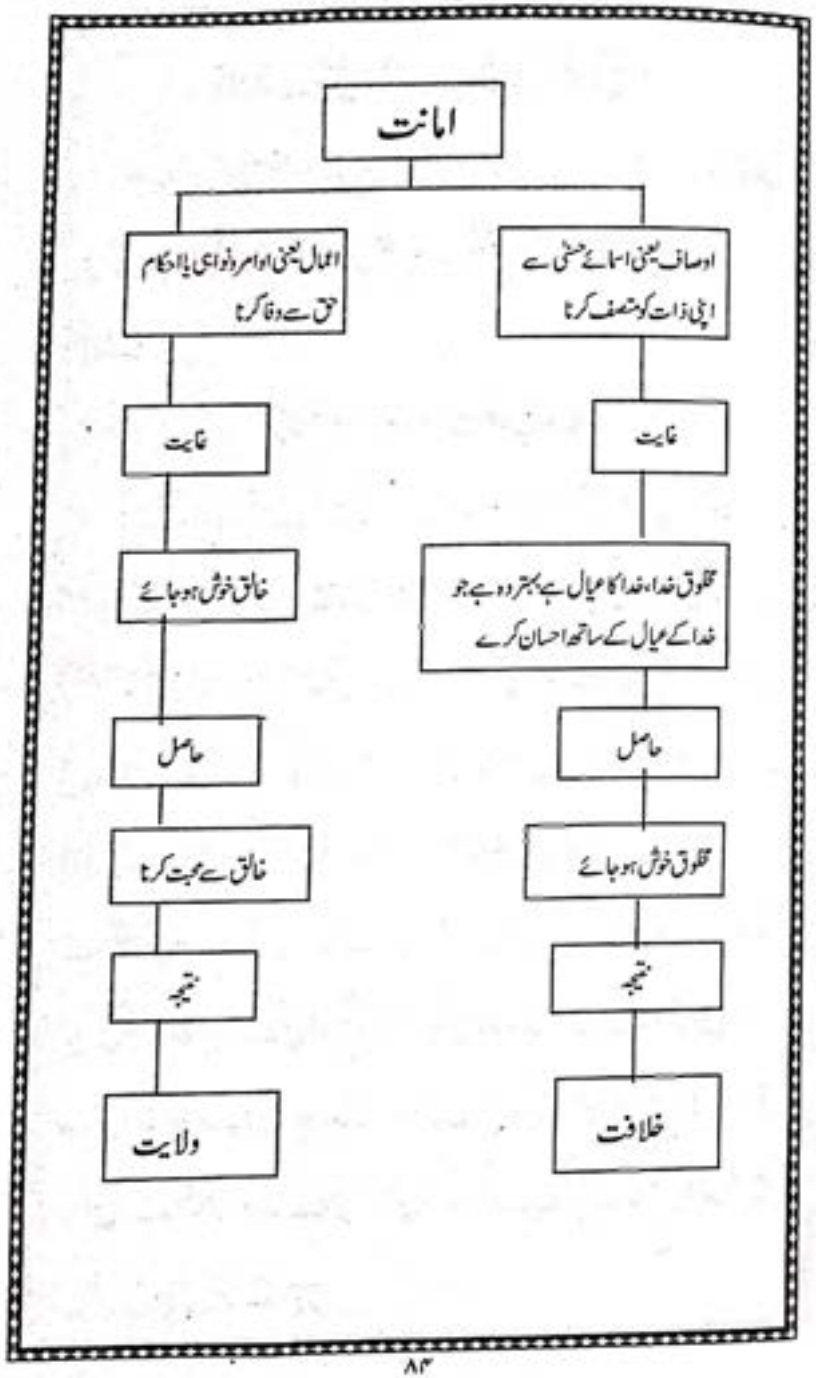

خلافت یعنی امانت بمقابلہ مخلوق

جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ علامہؒ کے نزدیک عبدیت کاملہ کی پہلی سیڑھی فقر ہے اور یہی فقر قلب ونظر کی پاکی کا کام انجام دیتا ہے۔

فقر کا مقصود ہے عفت قلب ونگاہ

فقر سے غسل کرنے کے بعد دونوں یعنی قلب و نگاہ میں معروف اور منکر کو پرکھنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ اس (فقر) کی وجہ سے اعمال صالحہ اس کی طبیعت ثانیہ بن جاتے ہیں۔ اعمال صالحہ سے اس کو قرب حق حاصل ہو جاتا ہے اور جتنا اللہ تعالیٰ سے یہ قریب تر چلا جاتا ہے اتنا ہی یہ مخلوق سے دور ہو جاتا ہے۔ مخلوق خدا (یعنی اللہ کے غیر) سے جتنا یہ دور ہو جائے گا اتنی اس کی نظر اللہ پر جمے گی اور جتنی اس کی نظر اللہ پر جمے گی اتنا ہی اس پر اللہ ہی اللہ غالب ہوتا چلا جائے گا اب اس کی ذات صرف اور صرف اللہ ہی سے متاثر ہو جائے گی۔ اسی کو علامہ اپنے ایک خاص انداز میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

فقر مومن چیست تسخیر جہات

بندہ از تاثیر اومولیٰ صفات

جب یہ بندہ مولائی صفات سے مزین ہو جاتا ہے۔ تو اب یہ ان اوصاف کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ صوفیاء کے نزدیک انسان کو پیدا کرنے میں حکمت خداوندی صرف اور صرف یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے گونا گوں اوصاف کا اظہار یا مظاہرہ کرنا چاہتا تھا۔ چونکہ انسان خلیفۃ اللہ ہے اور خلیفہ اپنے شیخ کا آئینہ دار ہوتا ہے لہٰذا یہ بھی بحیثیت خلیفۃ اللہ مخلوق کے مقابلہ میں مکتسب اور موہوبہ صفات کا مشاہدہ کرنا چاہتا ہے جب یہ مولائی صفات رکھنے والا خلیفہ اپنے اوصاف کا اظہار مخلوق خدا کے مقابلہ میں کرتا ہے تو اس کے خلیفۃ اللہ ہونے کا تحقق ہو جاتا ہے علامہ اقبالؒ اس بات کو کس طرح سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ آیئے! ان ہی کے اشعار میں اس سوال کا جواب تلاش کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ

غالب وکار آفرین کارکشا وکارساز

خلافت یعنی امانت بمقابلہ مخلوق

جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ علامہؒ کے نزدیک عبدیت کاملہ کی پہلی سیڑھی فقر ہے اور یہی فقر قلب ونظر کی پاکی کا کام انجام دیتا ہے۔

فقر کا مقصود ہے عفت قلب ونگاہ

فقر سے غسل کرنے کے بعد دونوں یعنی قلب و نگاہ میں معروف اور منکر کو پرکھنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ اس (فقر) کی وجہ سے اعمال صالحہ اس کی طبیعت ثانیہ بن جاتے ہیں۔ اعمال صالحہ سے اس کو قرب حق حاصل ہو جاتا ہے اور جتنا اللہ تعالیٰ سے یہ قریب تر چلا جاتا ہے اتنا ہی یہ مخلوق سے دور ہو جاتا ہے۔ مخلوق خدا (یعنی اللہ کے غیر) سے جتنا یہ دور ہو جائے گا اتنی اس کی نظر اللہ پر جمے گی اور جتنی اس کی نظر اللہ پر جمے گی اتنا ہی اس پر اللہ ہی اللہ غالب ہوتا چلا جائے گا اب اس کی ذات صرف اور صرف اللہ ہی سے متاثر ہو جائے گی۔ اسی کو علامہ اپنے ایک خاص انداز میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

فقر مومن چیست تسخیر جہات

بندہ از تاثیر او مولیٰ صفات

جب یہ بندہ مولائی صفات سے مزین ہو جاتا ہے۔ تو اب یہ ان اوصاف کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ صوفیاء کے نزدیک انسان کو پیدا کرنے میں حکمت خداوندی صرف اور صرف یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے گوناگوں اوصاف کا اظہار یا مظاہرہ کرنا چاہتا تھا۔ چونکہ انسان خلیفۃ اللہ ہے اور خلیفہ اپنے شیخ کا آئینہ دار ہوتا ہے لہٰذا یہ بھی بحیثیت خلیفۃ اللہ مخلوق کے مقابلہ میں مکتسبا ور موہوبہ صفات کا مشاہدہ کرنا چاہتا ہے جب یہ مولائی صفات رکھنے والا خلیفہ اپنے اوصاف کا اظہار مخلوق خدا کے مقابلہ میں کرتا ہے تو اس کے خلیفۃ اللہ ہونے کا تحقق ہو جاتا ہے علامہ اقبالؒ اس بات کو کس طرح سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ آیئے! ان ہی کے اشعار میں اس سوال کا جواب تلاش کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ

غالب وکار آفریں کارکشا وکارساز

جس طرح اللہ کی قدرت ہر حال میں غالب ہوتی اور رہتی ہے اسی طرح بندہ مولا صفات بھی غلبہ اور خلافت سے نوازا جاتا ہے اور یہی ہے اس آیت قرانی کا مفہوم وللہ العزت ولرسولہ وللمومنین (القرآن) اس طرح چونکہ اللہ تعالیٰ کارآفرینی کار کشائی اور کارسازی کے اوصاف سے بدرجۂ اتم متصف ہے لہٰذا اس کا خلیفہ بھی اپنی سطح پر ان اوصاف کا اظہار کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں پر غضب ہی نہیں کرتا بلکہ ان کو مہلت بھی دیتا ہے یہ اللہ کی شان بردباری کا اظہار ہے۔ خلیفۃ اللہ کو بھی اس صفت کا اظہار کرنا ہوگا۔ اگر وہ اس صفت کا اظہار کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو یہی علامہ کے نزدیک اس کے عشق و مستی کا کمال ہے۔

کمال عشق و مستی ظرفِ حیدرؓ
زوال عشق و مستی حرف رازیؒ

"ظرف حیدرؓ" ایک تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ جب لوگ عبدالرحمن ابن ملجم (قاتل حضرت علیؓ) کو گرفتار کر کے

ان کی خدمت میں لائے تو اس کو دیکھ کر انھوں نے اپنے علو ظرف کا ثبوت دیا یعنی لوگوں سے یہ فرمایا کہ یہ شخص پیاسا معلوم ہوتا ہے اسے پانی پلاؤ۔ ملامت کرنے کے بجائے اپنے دشمن پر عنایت کرنا مولائی صفات کا پرتو ہے۔

بندۂ عشق از خدا گیرد طریق
می شود بر کافر و مومن شفیق
شہید محبت نہ کافر نہ غازی
محبت کی رسمیں نہ ترکی نہ تازی (بال جبریل)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ازحد محبت کرتا ہے ایک حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بھٹکا ہوا بندہ جب راہ راست پر آجاتا ہے تو اللہ اس مسافر سے زیادہ خوش ہو جاتے ہیں جو راستہ میں اپنی سواری کی اونٹنی کھو بیٹھتا ہے اور پھر وہ اس کو بہت عرصہ کے بعد اچانک ملتی ہے علامہ اقبالؒ کہتے ہیں کہ تسخیر کائنات شمشیر سے نہیں بلکہ اسی قسم کی محبت علی الخلق سے ہو سکتی ہے۔

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں یہ مردوں کی ہیں شمشیریں

جب بندہ مومن میں اس قسم کا ظرف پیدا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہی بندہ خلافت کا زیادہ مستحق ہے کیونکہ علامہ کے نزدیک آدمیت کا خلاصہ احترام آدمی ہے۔ علامہ کا شعر جاوید نامہ میں اس طرح ہے۔

آدمیت احترام آدمی
باخبر شو از مقام آدمی

بقول سعدی ؎

شنیدم کہ مردان راہ خدا
دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام
کہ با دوستانت خلاف است جنگ

آدمیت احترام آدمی

آدم ہی سے لفظ آدمیت مشتق ہے اور آدمی کے معنی علامہؒ کے نزدیک احترام آدمیت ہے۔ کوئی کسی کا احترام جب ہی کرتا ہے جب اس کے قلب میں اس کا وقار و محبت ہو۔ لہٰذا احترام آدمیت کے لئے محبت یا شفقت بنیادی شرط ٹھہری۔ اسی محبت یا شفقت علی الخلق کی بنیاد پر آدم کے سر پر خلافت کا تاج سجایا گیا۔ علامہؒ کے پیر و مرشد حضرت رومیؒ اس تفصیل کو ایک حکایت بعنوان ''**گریختن گوسفندے از موسیٰ علیہ السلام و شفقت و مہربانی موسیٰ بروے**'' میں یوں سمجھاتے ہیں۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ موسیٰ کلیم اللہ کے ریوڑ سے ایک بکری بھاگ گئی۔ حضرت موسیٰ اس کے تعاقب میں نکلے کہ کہیں اس کو کوئی جانور نہ کھائے۔ بکری بھاگ گئی۔ حضرت موسیٰ اس بکری کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ بالآخر بکری تھک کر چور ہو گئی اور گر پڑی۔ حضرت موسیٰ نے اس کی گرد جھاڑی اور اس کی کمر اور سر پر ہاتھ پھیرا۔ الغرض ماں کی طرح اس پر مہربانی کی اپنی تھکاوٹ کو بھول گئے اور اس بکری کی تکلیف کو محسوس کیا اس بکری سے مخاطب ہوئے

اور فرمایا میں نے مانا تجھے مجھ پر رحم نہ آیا لیکن تیری طبیعت نے اپنے اوپر کیوں ظلم کیا؟ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو شفقت علی الخلق کا ایسا مظاہرہ کرتے دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

باملائک گفت یزدان آں زمان
کہ نبوت را ہمی زیبد فلاں
مصطفیٰؐ فرمود خود کہ ہر نبی
کرد چوپانیش برنا یا صبی
بی شبانی کردن وآں امتحان
حق نہ دادش پیشوائی در جہاں
تا شود پیدا وقار و صبر شان
کردشاں پیش از نبوت حق شباں ۱۳

آدمی کی سرشت میں اس محبت کا ہونا دراصل اللہ کی صفتِ رحم ورحیمی کا ہی پرتو ہے۔ حضرت رومیؒ فرماتے ہیں ؎

مادراں را مہر من آموختن
چوں بود شمعے کہ من افروختم

ترجمہ: ''ماؤں کو محبت کرنا میں نے ہی سکھایا لہٰذا ماں کا اولاد پر گرویدہ ہونا میری ہی محبت کا پرتو ہے۔''

مہر تو مہر علامہ کے نزدیک مرد مومن کا قہر بھی اللہ کے بندوں پر شفیق ہوتا ہے۔ علامہ ضرب کلیم میں مرد بزرگ کی تعریف کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں

اس کی نفرت بھی عمیق اس کی محبت بھی عمیق
قہر بھی اس کا ہے اللہ کے بندوں پر شفیق

حضور ﷺ انسانیت کی طرف بطور رحمت مبعوث کیے گئے۔ ان کا واحد کام انسانیت کو رب رحمان سے جوڑنا تھا۔ بقول پیر رومیؒ ؎

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

لہٰذا ان کو انسانیت کے ساتھ کتنی محبت تھی اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ جب حضور ﷺ کو طائف کے میدان میں دشمنان اسلام نے سنگ باری سے چھلنی کیا۔ تو حضور ﷺ نے دشمنوں کے لئے عذاب اور پکڑ جو کہ یقینی بن چکی تھی پسند نہیں کیا۔ اس

نبی ﷺ کے نزول میں بھی محبت خلق کا راز

ایک اہم باریک نکتہ نبی ﷺ کے نزول من السماء یعنی معراج سے واپسی میں جو علامہ اقبالؒ نے (Reconstruction of Religious Thought In Islam) کے لیکچر نمبر ۵ بعنوان (The Sprit Of Muslim Culture) بیان کیا ہے سے بھی نبی ﷺ کی محبت علی الخلق کا اظہار ہوتا ہے ۔اس نکتہ کو اپنے الفاظ میں واضح کرنیسے پہلے میں علامہ اقبالؒ کے اپنے الفاظ من وعن یہاں پر نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں تا کہ بات صحیح انداز میں منقح ہو جائے۔عبارت اس طرح ہے:

"Muhammad of Arabia ascended the highest heaven and returned. I swear by God that if I had reached that point I should never have returned. "These are the words of a great muslim saint ,Abdul -al-Qudus of Gangoh.In the

کے باوجود جب ان کے پاس گناہ کبیرہ کے مرتکب کو لایا جاتا تو وہ نہایت شفیق اور رقیق القلب ہونے کے باوجود ان پر حد نافذ کرتے ۔کیونکہ حدود کے نفاذ میں لطف عام کی مصلحت پوشیدہ تھی۔اگر شرعاً ہو جاتا تو زمین پر فساد عام ہو جانے کا اندیشہ تھا۔جس سے لوگوں کو بے انتہا مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا اس لئے علامہ رومیؒ فرماتے ہیں

قتل خاصے از برائے لطف عام

شرع می دارد روا بگذار گام

اس طرح بندۂ مومن کے قہر میں بھی مہر کا پہلو غالب ہوتا ہے ۔اسی مہر کی بنیاد پر خلافت علی الخلق کا مستحق بن جاتا ہے۔

whole rang of sufi litreture it will be probably difficult to find the words which in a single sentence, diclose such an acute perception of psycological differnce between the Prophetic and mystic types of consiousness. These mystic does not wish to return from the repose of 'unilary experience' and even when he does return, as he must his return does not mean much for mankind at large .The Prophetic return is creative. He returns to insert Himself into the sweep of time with the view to controle the forces of history and there by to creat a

fresh world of ideals."

جہاں تک اس عبارت کا تعلق ہے علامہؒ نے ایک گہرے نکتے کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ ''عبد القدوس صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کو جو عروج آسمانی میں اللہ تعالیٰ کی زیارت بہ نفس نفیس ہوئی اگر بفرض محال مجھے یہ عروج حاصل ہوتا تو میں نزول ہرگز پسند نہیں کرتا''۔

صوفیاء کو جب مشاہدہ ہوجاتا ہے تو وہ مغلوبُ الحال ہو جاتے ہیں۔ وہ اس مشاہدہ اور کیفیت سے لوٹنا پسند نہیں کرتے۔ جبکہ نبی غالب الاحوال ہوتے ہیں وہ عروج کے بعد نزول بایں غرض اختیار کرتے ہیں کہ لوگوں کو بھی اس نعمت عظمیٰ سے ہم کنار کریں۔ لوگ ہدایت کا راستہ اختیار کریں۔ اللہ کے ولی بنیں اور اولیاء اللہ بن کر وہ استعداد اپنے اندر پیدا کریں جس سے وہ آخرت میں رویت باری کرسکیں۔ اس طرح نبی ﷺ جو کہ افضل البشر والعباد ہیں کے نزول میں بھی محبت خلق کا فلسفہ مضمر ہے۔ یہی وہ کیفیت اور درد دل

ہے۔جس کی وجہ سے ہر نبی خلافت کے اعلیٰ مقام پر ازل سے فائز ہوتا ہے اگر چہ اس کی بات لوگ رد ہی کیوں نہ کریں ۔اللہ کے بندوں کے مقابلہ میں اس قسم کی محبت اور شفقت کو اس مقالہ میں خلافت سے تعبیر کیا گیا ہے لہٰذا اگر امت مسلمہ از سر نو عالمگیر خلافت اسلامی کے احیاء میں سنجیدہ و مخلص ہے تو علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں افراد امت کو بھی اپنے اسلاف کے ان ہی اوصاف سے متصف ہونا

ازحد ضروری ہے ؎

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

ولایت یعنی امانت بمقابلۂ خالق

مقام ولایت پر روشنی ڈالنے سے پہلے میں اس کے لغوی، اصطلاحی اور عرفانی معنوں پر روشنی ڈالنا مناسب سمجھتا ہوں تاکہ معنیٰ و مفہوم کے استحضار کے ساتھ اس کی گہرائی میں جانا آسان ہو جائے۔

جہاں تک لفظ ''ولی'' کا تعلق ہے اس کا لغوی معنی دوست محبوب، محبّ اور مددگار کے ہیں۔ یہ لفظ بطور فاعل و مفعول دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ قرآن میں بھی استعمال ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں "اللہ ولی الذین آمنوا" کہ اللہ دوست ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے۔دوسری جگہ ارشاد ہے "الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون" ''ہاں اللہ کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے''۔ یہ ولی کون ہیں اور ان کی کیا صفات ہیں قرآن بیان کرتا ہے "الذین آمنوا و کانوا یتقون" یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ کا تقویٰ اختیار کیا۔صاحب قاموس القرآن لکھتے ہیں ولی اللہ وہ ہے جو

صاحب ایمان بھی ہو اور صاحب تقویٰ بھی پھر حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ''اس آیت میں ولایت کا مدار دو چیزوں پر فرمایا ہے ایمان اور تقویٰ۔ سو جس درجہ کا ایمان و تقویٰ حاصل ہوگا اُسی مرتبہ کی ولایت حاصل ہوگی اگر ادنیٰ درجہ کا ایمان و تقویٰ ہے جو ضروری عقاید کی تصحیح اور ضروری اعمال کی پابندی سے حاصل ہوتا ہے تو ادنیٰ درجہ کی ولایت حاصل ہوگی جو ہر مومن کو حاصل ہے اور اس کو ولایت عامہ کہتے ہیں اگر اعلیٰ درجہ کا ایمان و تقویٰ ہے تو اعلیٰ درجہ کی ولایت حاصل ہوگی جس کو ولایت خاصہ کہتے ہیں اور اصطلاحاً ولی وہی کہلاتا ہے جو ولایت خاصہ کے ساتھ موصوف ہے''[۱۴]

ولایت

ایمان یعنی یقین قلبی | تقویٰ یعنی زہد

ایمان

جہاں تک ایمان کا تعلق ہے تو یہ بات صاف اور ظاہر ہے کہ ایمان کے بغیر کوئی ولی اللہ ہو ہی نہیں سکتا۔ فقر سے لیکر ولایت تک کے تمام مقامات کے لئے ایمان شرط اولین ہے۔ ایمان کی حقیقت یقین قلبی ہے اس کی تشریح علامہ انور شاہؒ کشمیری نے اسطرح کی کہ ''ایمان خدا کے پیغمبر پر اس کے لائے ہوئے مکمل پیغام کے بارہ میں کامل اعتماد کا نام ہے''[۱۵] اگر کوئی شخص اسلام (جس کی بدولت بندۂ مومن تمام مراتب اعلیٰ کا مستحق بن جاتا ہے) کو محض اپنی تحقیق کی بنیاد پر حق جانتا اور مانتا ہے اور رسول ﷺ کے اعتماد پر اس کی حقانیت تسلیم نہیں کرتا تو وہ شخص بیچ میں ''رسول ﷺ کے اعتماد کو ہٹانے کی وجہ سے'' کافر ہوگا لہٰذا محض اعمال حسنہ کی بنیاد پر کسی شخص کو ولی اور مومن نہیں کہہ سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان ولایت (خواہ عامہ ہو یا خاصہ) کی بنیادی شرط ٹھہرا۔ اسی نسبت سے تقویٰ سے پہلے آمنوا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

تقویٰ

تقویٰ کیا ہے؟ تقویٰ بچنے اور پرہیز گاری کے معنوں میں مستعمل ہے۔ کس چیز سے بچا جائے؟ امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں "نفس کو خوف کی چیز سے بچانا"۔ شرعی نقطۂ نگاہ سے گناہ کی بات سے نفس کو بچانے کا نام تقویٰ ہے۔ تقویٰ کے حامل مومن کو متقی کہتے ہیں۔ صوفیہ کے نزدیک متقی وہ مرد کامل اور صاحب عزم ہے "جو ظاہر کو بھی ماسوی اللہ کے داغوں سے پاک کرے اور باطن کو بھی۔ ظاہر کو دنیا اور ہوس ہائے دنیا سے بچائے رکھے اور باطن کو لذائذ اخروی سے یعنی جس کی عبودیت اور بندگی خالصتاً للہ ہو"۔ [16] اسی کیفیت کو علامہ اپنے ایک شعر میں اسطرح بیان کرتے ہیں۔

جس کا عمل ہو بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گذر بادہ و جام سے گذر

یا بقول کسے۔

سجدوں کے عوض فردوس ملے یہ بات مجھے منظور نہیں
بے لوث عبادت کرتا ہوں بندہ ہوں کوئی مزدور نہیں

حضرت خواجہ عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں:

"اگر عارف بہشت جوید طہارت معرفتش شکستہ بود و اگر درونش از غیر حق چیزے طلبد در اجابتش بستہ شود" [17]

(ترجمہ) "یعنی اگر عارف باللہ جنت کا طلبگار ہو جائے تو اس کی معرفت کی وضو شکنی ہو جائے گی اور اگر وہ خدا سے خدا کے بغیر کچھ اور طلب کرے تو اس پر قبولیت کے دروازے بند ہونگے"۔ مطلب یہ کہ صوفیٔ عاشق کا مطلب و مقصد اللہ ہی اللہ ہوتا ہے اور یہی صوفیاء کے نزدیک تقویٰ کا اعلیٰ مقام ہے۔ جب عبد مؤمن کی محبت الٰہی میں یہ کیفیت ہو جاتی ہے تو علم کا حجاب اٹھ جاتا ہے اور مشاہدہ کا باب کھل جاتا ہے اسی مقام پر جب کوئی عارف پہنچا تو وہ بے ساختہ بول اٹھا

خیالك فی عینی و ذکرك فی فمی
و مثواك فی قلبی فاین تغیب (م ت ص ۹۲)

یعنی اے میرے معشوق آپ کی صورت میری آنکھوں میں ہے آپ کا ذکر میری زبان پر جاری ہے اور آپکا گھر میرا دل ہے اب آپ ہی بتائیے آپ کہاں غائب ہو سکتے ہیں۔ یہ محبت الٰہی کا وہ مقام ہے

جب سالک کو نہ سزا کا خوف متاثر کرتا ہے اور نہ جزا کی تمنا اس کے دل میں ہوتی ہے بلکہ اس کا مطلوب اللہ، معبود اللہ اور مقصود اللہ ہی اللہ ہوتا ہے۔ اسی مقام کی طرف دعوت دیتے ہوئے علامہ فرماتے ہیں ۔

"او بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے"

(م ت) منصور حلاج کا شعر ہے۔ اس کو مولانا ابو الکلام آزاد صاحب نے اسطرح نقل کیا ہے

جمالک فی عینی وحبُک فی قلبی

و ذکرک فی فمی ،فاین تغیب

دیوان حلاج میں شعر اسی طرح درج ہے لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ جمالک کے بجائے وہاں مثالک درج ہے۔

(تذکرہ در حواشی ص ۴۳۰)

یہی ہے صوفیاء کرام کے اِس قول کی تشریح "الدنیا حرامٌ علیٰ اھل الآخرۃ والآخرۃ علیٰ اھل الدنیا و ھما حرامان علیٰ اھل اللہ" کیونکہ ان کی محبت ذات باری سے اتنی ہوتی ہے کہ وہ تماشائے ذات کے علاوہ ہر چیز کو حرام سمجھتے ہیں۔ بقول پیر رومیؒ ۔

یک لحظہ ز کوئے یار دوری

در مذہب عاشقاں حرام است

قرآن میں بھی حقیقی ایمان والوں کی تفسیر یہی بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے شدید محبت کرنے والے ہوتے ہیں اور والذین آمنوا اشد حباً للہ ۱۸ اسی کیفیت پر دال ہے۔

علامہ اقبالؒ کی دعوتِ عشق ومحبت للمخالق

حضرت ابوبکر شبلیؒ فرماتے ہیں ''محبت کو اس لئے محبت کہتے ہیں کہ سوائے محبوب کے جو کچھ بھی دل میں ہے یہ محبت اسے مٹادیتی ہے''۔[19]

علامہ اقبالؒ اس لذت آشنائی کا خاکہ اس طرح کھینچتے ہیں۔

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دونیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
دوعالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی
شہادت ہے مطلوب ومقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

(بال جبریل طارق کی دعا)

ذوق خدائی اور لذت آشنائی ہی ایک بندۂ مومن کو شہادت

یعنی میدان کارزار میں خون بہانے پر آمادہ کرتی ہے کیونکہ مومن کو معلوم ہے کہ موت ہی وہ شئے ہے جو عاشق اور معشوق کے درمیان حجاب ہے۔ جب یہ پردہ اٹھ جاتا ہے تو عاشق کو اپنے معشوق سے وصال نصیب ہوجاتا ہے الموت جسرٌ یوصل الحبیب الی الحبیب۔ لہٰذا وہ اس عالم میں رہنا پسند نہیں کرتا کیونکہ بقول اقبالؒ ع

اور یہ عالم تمام وہم وطلسم ومجاز

یہ اسی محبت کا جنون ہوتا ہے کہ سالک کے عمل میں بے انتہا جوش پیدا ہوتا ہے اور وہ اس ذات کے قرب کو کمال محنت ومشقت کے ساتھ حاصل کرنے کا شیدائی بن جاتا ہے۔ بقول اقبالؒ ۔

شرع محبت میں عشرت منزل حرام
شورش طوفان حلال، لذت ساحل حرام
عشق پہ بجلی حلال، عشق پہ حاصل حرام

مختصراً یہ کہ علامہ اقبالؒ اس مقام کو حاصل کرنے کی پرزور دعوت دیتے ہوئے اپنے عقیدت مندوں سے کہتے ہیں کہ اپنی

صلاحیتوں کو نقش و نگار دنیا میں صرف مت کیجئے بلکہ اپنے وجود کو پہچان کر اس سے عشق اور محبت سے مزین کرو تاکہ مرگ باشرف سے ہم کنار ہو جاؤ۔ اگر عشق و محبت کی دولت تم کو نصیب نہیں ہوئی تو تمہاری حیات، حیات بے شرف کہلائے گی کیونکہ حیات کو تو شرف عشق و محبت سے ہی ملتا ہے۔ عشق نہیں تو حیات نہیں اور عدم حیات ہی کا نام مرگ یا موت ہے۔ (م ت)

عشق بتاں سے ہاتھ اُٹھا اپنی خودی میں ڈوب جا
نقش و نگارِ دیر میں خون جگر نہ کر تلف
کھول کے کیا بیان کروں سرِّ مقام مرگ و عشق
عشق ہے مرگ باشرف، مرگ حیات بے شرف

(م ت) ایک حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ ذکر کرنے والے دل کی مثال زندہ کی سی ہے اور ذکر نہ کرنے والے دل کی مثال مردہ کی سی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ افضل الذکر کلمہ یعنی کلمہ طیبہ کو جلاء القلوب کہا گیا ہے۔ جب بندۂ مومن میں محبت کی یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ولایت خاصہ سے نوازتا ہے۔ اللھم ارزقنا حبك و اھل حبك احب الاشیاء الینا۔ (آمین ثم آمین)

(تتمہ)

جہاں تک علامہ اقبالؒ کی ذات کا تعلق ہے وہ امت مسلمہ اور عصر حاضر میں خستہ حال مسلمانوں کے تئیں ایک دھڑکتا ہوا درد مند دل اپنے اندر لئے ہوئے تھے کیونکہ علامہؒ کے زمانے میں مسلمان بحیثیت مجموعی مشرق تا مغرب سیاسی، ثقافتی اور معاشرتی اعتبار سے غلامی کی زندگی (وہ بھی ذلت سے پر) گذار رہے تھے۔ مسلمانوں کو پستی کی زندگی سے نکالنے کی خاطر عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں انقلابی تحریکوں اور افراد کا معرض وجود میں آنا اب فطری اعتبار سے ناگزیر بن گیا تھا۔ امام حسن البناؒ، سیّد قطب شہیدؒ، جمال الدین افغانیؒ، محمد عبدہؒ، سر سیّد احمد خان وغیرہ مصلحین کی اصلاحی تحریکوں کا زور پکڑنا بہ زبان حال بیان کر رہا تھا کہ مسلمان انتہائی انحطاط کا شکار ہو چکے ہیں۔ اسی عالم ہائے وہو میں علامہ نے آنکھیں کھولیں۔ تعلیمی سفر شروع کیا، لیکن مشرق میں اس تعلیمی اور طالب علمی کے دور میں وہ کسی ''پختہ یقین پر نہیں پہنچے''۔[20] اس درد مند دل میں دعوتی ہیجان قیام یورپ میں پیدا ہوا۔ اس کا اندازہ ہمیں

بانگ درا کے حصہ دوم کی آخری نظم ''صقلیہ'' سے ہوسکتا ہے۔ یہ نظم دراصل ایک نوحہ ہے جو علامہ اس وقت کرتے ہیں جب اس کا جہاز جزیرہ سسلی کے ساحلکے قریب سے گذرا اور ان کو تہذیب حجازی کے کھنڈرات نظر آئے ان کھنڈرات کو دیکھ کر علامہ بے اختیار رو پڑتے ہیں۔ علامہ کو وہ صحرا نشین یاد آتے ہیں جن کو اللہ نے کمال عبدیت کے عوض استخلاف اور تمکین فی الارض سے نوازا تھا۔ علامہ کی اس نوحی نظم کے چند اشعار یہاں پر رقم کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

رو لے اب دل کھول کر اے دیدۂ خونابہ بار
وہ نظر آتا ہے تہذیب حجازی کا مزار
تھا یہاں ہنگامہ ان صحرا نشینوں کا کبھی
بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی
زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے

بجلیوں کے آشیانے جن کی تلواروں میں تھے
ہیں تیرے آثار میں پوشیدہ کس کی داستان
تیرے ساحل کی خاموشی میں ہے انداز بیان
درد اپنا مجھ سے کہہ میں بھی سراپا درد ہوں
جس کی تو منزل تھا میں اس کارواں کی گرد ہوں
رنگ تصویر کہن میں بھر کے دکھلا دے مجھے
قصہ ایام سلف کا کہہ کے تڑپا دے مجھے
میں تیرا تحفہ سوئے ہندوستان لے جاؤں گا
خود یہاں روتا ہوں اوروں کو وہاں رلاؤں گا

قیام یورپ میں علامہؒ کے دل میں غم کا بیدار ہونا ان اشعار سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سیارا

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا
حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئین مسلم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا
غنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن
کہ نوردیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

یہ درد کا مارا اب ان وجوہ کی تلاش میں لگا جنہوں نے مسلمانوں کو تمکین اور استخلاف فی الارض کی دولت سے محروم کیا۔ جہاں علامہؒ کے ہم عصر مصلحین نے یہ چاہا تھا کہ ''مسلمان اسلام کی اس روح سے آشنا ہو جائیں جو مادہ سے گریز کرنے کے بجائے اس کی تسخیر کی کوشش کرتی ہے''[۲۱]

وہیں علامہؒ کافی تحقیق و تدقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ شور و غوغے اور نام نہاد عصری اور بے روح تحریکوں سے دنیائے اسلام

میں کوئی انقلاب بپا ہونے والا نہیں بلکہ ہمیں اسی چیز کی طرف رجوع کرنا ہے جس کی بدولت ہمارے اسلاف کو اللہ قادر مطلق نے وقار سے نوازا تھا۔ علامہؒ کے نزدیک وہ چیز ''احکام حق سے وفا'' ہے۔ کیونکہ علامہ کو از روئے قرآن معلوم ہوا تھا کہ تمکین فی الارض موعود ہے نہ کہ مقصود۔ چونکہ علامہؒ فرماتے ہیں۔

پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصارِ دین میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظِ حرم کا اک ثمر
تا خلافت کی بنا ہو پھر جہاں میں استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

علامہؒ در یوزۂ خلافت (خلافت کی بھیک) والی ایک چھوٹی سی غزل میں مسلمانوں کو خلافت کی گدائی کرنے سے عار دلاتے ہیں اور مسلمانوں کو ''احکام حق''، یعنی کمال عبدیت کا حق ادا کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ علامہؒ مسلمانوں کو گویا اس بات کی تلقین کرتے ہیں کہ تم مقصود کو پورا کرو تو موعود کا پورا کرنا حضرت خالق کائنات کا کام ہے کیونکہ یہ بات مسلمہ ہے کہ شرط کے پورا کئے بغیر مشروط کا ملنا

ناممکن ہے۔علامہؒ فرماتے ہیں۔

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جائے
تو احکام حق سے نہ کر بے وفائی
نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا
خلافت کی کرنے لگا تو گدائی
خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے
مسلمان کو ہے ننگ وہ پادشاہی
مرا از شکستن چنان عار ناید
کہ از دیگراں خواستن مومیائی

الغرض علامہ اقبالؒ کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو حکومت سے محروم رکھنے کی اصلی اور بنیادی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے ابھی عبدیت کا حق پورا پورا ادا نہیں کیا۔فکری اعتبار سے یہ نظریہ علامہؒ کے ہمعصر داعیِ اجل حضرت مولانا شاہ محمد الیاسؒ کاندہلوی ثم دہلوی سے ملتا ہی نہیں بلکہ پوری مطابقت رکھتا ہے۔علامہ نے جہاں خلافت سے پہلے عبادت کا پورا پورا حق

ادا کرنے کی تلقین منظوم انداز میں کی وہیں مولانا نے اس خیال کا اظہار اپنے ایک ملفوظ میں اس طرح فرمایا:

''اللہ کے احکام اور اوامر کی حفاظت و رعایت جب کہ تم اپنی ذات اور منزلی زندگی میں نہیں کر رہے ہو (جس پر تمہیں اختیار حاصل ہے اور کوئی مجبوری نہیں) تو دنیا کا نظم ونسق کیسے تمہارے حوالہ کر دیا جائے۔ایمان والوں کو حکومت ارضی دینے سے منشاء الٰہی یہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور اس کے احکام کو دنیا میں نافذ کریں۔تو تم جب اپنے حدود واختیار میں آج یہ نہیں کر رہے ہو تو دنیا کی حکومت تمہارے سپرد کر کے کل کے لئے تم سے اس کی امید کی جاسکتی ہے؟''۲۲

میرے نزدیک علامہ اقبالؒ اور مولانا محمد الیاسؒ کے درمیان فرق اتنا ہی ہے کہ علامہؒ نے سلیم القلب مسلمانوں کے قلوب گرمادئے لیکن مولاناؒ نے ان کے قلوب گرمائے ہی نہیں بلکہ دعوت کا ایک عظیم الشان منصوبہ تشکیل دے کر ایک ایسا عملہ تیار کیا جو بے

غرض بن کر بے طلب اور بے حس افراد امت کو عبدیت کاملہ کی دعوت کے لئے گلی در گلی، شہر در شہر اور اقلیم در اقلیم مال اور جان کی قربانی کے ساتھ پھر رہا ہے۔ علامہ کے شاعرانہ فکر و تدبّر اور مولانا کے فکر و عمل کا خلاصہ درج ذیل نقشہ سے واضح ہو جاتا ہے:

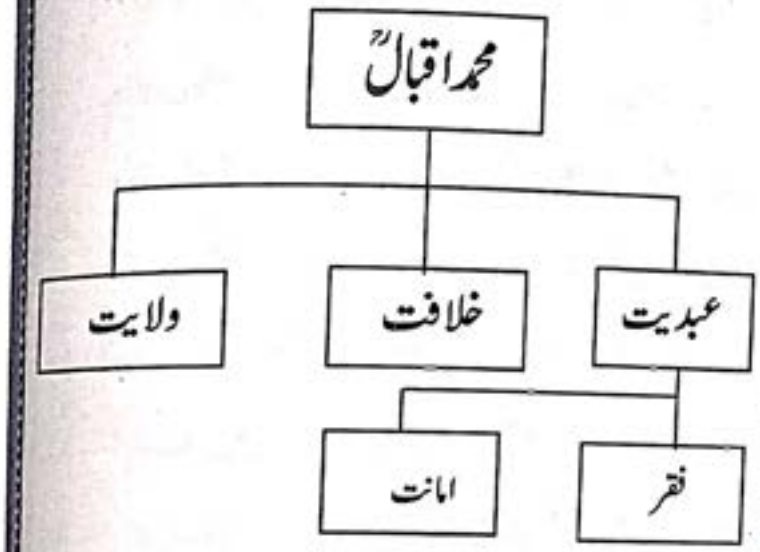

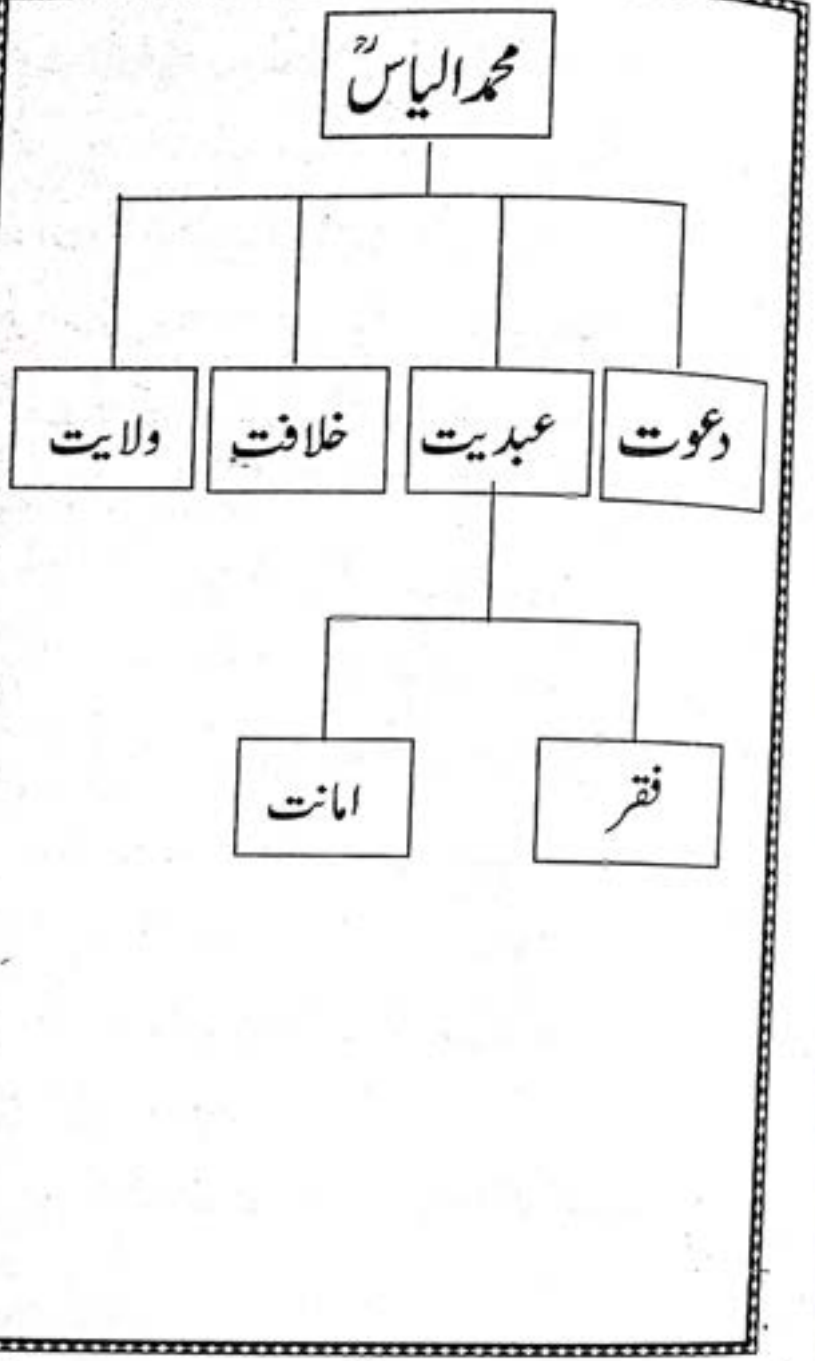

خیر علامہ اقبالؒ ہوں یا انکے ہمعصر داعیِ اجل حضرت مولانا محمد الیاسؒ دونوں الفاظ کے رد و بدل کے ساتھ عبدیت ہی کو شہنشاہیت یا خلافت ارضی کا مقدمہ مانتے ہیں۔ بفرض محال اگر عبدیت کاملہ کے بغیر مسلمانوں کو ادھر اُدھر کر کے یا غیر اسلامی سیاست اور حربے اختیار کر کے حکومت ہاتھ میں آتی بھی ہے تو علامہ کے نزدیک وہ روباہی ہے۔ علامہ فرماتے ہیں۔

جز بہ قرآن ضیغمی روباہی است
فقرِ قرآن اصل شہنشاہی است

لہٰذا ولایت، بادشاہی، علم اشیاء کی جہانگیری اور قضائے حق ہونے کے لئے رضائے حق ہی بنیادی شرط ہے۔

ولایت پادشاہی علم اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہے فقط اک نقطۂ ایمان کی تفسیریں

اسی طرح ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

چوں فنا اندر رضائے حق شود　　بندۂ مومن قضائے حق شود

(حوالے)

نمبر شمار	حوالہ
۱	تفسیر مظہری جلد دوم ص ۷۔۹۹ از قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (مترجم)
۲	ایضاً
۳	ایضاً
۴	ملفوظات اقبالؒ ص ۷۰
۵	ملفوظات مولانا محمد الیاسؒ ص ۔ از منظور احمد نعمانیؒ
۶	القرآن سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۔
۷	قاموس القرآن از قاضی زین العابدین میرٹھی ص ۔
۸	قرآن اور تصوف از میر ولی الدین صاحب ص ۱۳۲
۹	فتوحات بحوالہ تفسیر قادری جلد نمبر ۲ ص ۲۶۲
۱۰	تفسیر مظہری مترجم از قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ سورۃ الاحزاب

۱۱	قرآن اور تصوف از ڈاکٹر ولی الدین صاحب ص ۱۳۲
۱۲	مثنوی مولانائے رومؒ دفتر ششم معہ خاتمہ مترجم ص ۳۱۴
۱۳	ایضاً ص ۳۱۶
۱۴	قاموس القرآن از قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی ص ۶۲۷
۱۵	فیض الباری جلد نمبر ۱ بحوالہ قاموس القرآن از قاضی سجادؒ ص ۹۰
۱۶	دستور السالکین (اردو ترجمہ یعنی متاع نور معہ ترجمہ و تلخیص از ابوالاشرف قاری سیف الدین ص ۱۷۸
۱۷	مجموعہ عطر ص ۱۰۲ مرتب و مترجم قاری سیف الدینؒ
۱۸	القرآن سورۃ البقرہ آیت ۱۶۶
۱۹	حضرت خواجہ نقشبندؒ اور طریقہ نقشبندیہ از پروفیسر ڈاکٹر شمس الدین ص ۸۵

۲۰	زندہ رود ص ۸۵ بحوالہ تاریخ ساز جوانیاں از محمد جاوید خالد
۲۱	ختم نبوت از علامہ اقبالؒ ص ۲۴
۲۲	ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ از مولانا محمد منظور نعمانیؒ ص ۱۸

ضمیمہ

تو بھی ہے اسی قافلۂ شوق میں اقبال
جس قافلۂ شوق کا سالار ہے رومیؒ

''علامہ اقبالؒ کا نام سن کر یا ان کا شعر پڑھ کر بہت سے لوگ سر دھننے لگتے ہیں اور بعض پر تو وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جو قابل مسرّت اور لائق مبارکباد ضرور ہے لیکن یہ جذب و سرور اور قبول عام محض سیاسی قسم کا ہے۔ اس کا مذہبی اور علمی بنیاد بہت کمزور ہے اور علامہ کے مقصد حیات کے ادراک و فہم سے شاید اسے دور کا واسطہ نہیں۔ اسی بے خبری کا ایک نتیجہ ہے کہ اس وقت ہمارے قوم کے بعض تنگ نظروں کے نزدیک علامہ اقبالؒ کی ساری تعلیم صرف ''مخالف وطنیت'' اور ''عناد ملائیت'' سے عبارت ہے۔ حالانکہ تعلیمات اقبالؒ کے وسیع سمندر میں یہ دو امور قطرے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ان کا وہ مفہوم و مقصد نہیں جو عام طور سے سمجھا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ کلام اقبال میں بے شمار انمول موتی موجود ہیں جن کو نگاہ میں رکھنے کے بعد اقبال کو محض وطن اور ملا کا قاتل قرار دینا

علامہ شبلیؒ کے اس شعر کی یاد کو تازہ کرتا ہے ؎

تمہیں لے دے کے ساری داستان میں یاد ہے
کہ عالمگیر ہندو کش تھا، ظالم تھا، ستمگر تھا [1]

لہٰذا بقول عبدالغنی نیازی صاحب ''علامہ اقبالؒ کے فلسفۂ خودی پر سر دھننے والے سلوک و تصوف اسلامی کی تردید محض اس بنا پر کرتے ہیں کہ وہ دراصل ان میں سے کسی چیز کی حقیقت سے واقف نہیں۔ نہ علامہ موصوف کی خودی سے، نہ فن سلوک و تصوف سے، نہ صوفیائے کرام کے کارناموں سے۔ علامہ مرحوم نے صرف جاہل اور کاہل صوفیوں پر لے دے کی ہے نہ کہ حقیقت تصوف اور اکابر صوفیاء پر۔ یہ ضرور ہے کہ علامہ مرحوم کا لب و لہجہ اکثر سخت ہو گیا اور ان کے اشعار پر استثناء کے بجائے عمومیت کا رنگ غالب ہے جس کی وجہ سے ان کے نوجوان معتقدین اور شارحین کلام کا قلم جادۂ انصاف سے ہٹ جاتا ہے۔ علامہ اقبال کا مقصد تکذیب تصوف یا تکذیب اکابر صوفیہ ہرگز نہ تھا بلکہ ان کے مرشد معنوی خود مولانائے رومؒ تھے اور ان کے فلسفہ و حکمت کے اجزائے ترکیبی میں صوفیائے کرام کے عقائد اور

چوں رومی در حرم دادم اذان من
ازو آموختم اسرار جان من
بہ دور فتنۂ عصرِ کہن او
بہ دور فتنۂ عصرِ روان من

(ارمغان حجاز)

جس طرح رومیؒ نے اپنے دور میں یونانی فلسفے کی عارفانہ، عالمانہ، منطقی اور کلامی انداز میں تردید کی اور صحیح اسلامی فکر اور ذوق کی بے مثل ترجمانی کی۔ اسی طرح اقبال کو عصر رواں کے فتنوں کے سد باب کے لئے اللہ تعالیٰ نے بھیج دیا۔ اقبالؒ نے علم حاضر کے طلسم سے آئندہ آنے والی نسل کو آگاہ کیا۔ اور انھیں اپنے اسلاف کے نقوش اقدام پر چلنے کی تلقین کی۔ علامہ فرماتے ہیں ؎

حکمائے اسلام کی حکمت ہی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے"۲

لہٰذا اقبال کو مطالعہ کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کے عارفانہ مذاق اور ذوق وسرور سے کماحقہٗ واقف ہوں۔ اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے میرے والد صاحب کے مرشد طریقت کے فرزند ارجمند حضرت ابن عبدالولی مولانا ومفتی سید عبد الرحیم الحسنی نے مجھے مشورہ دیا کہ میں ضمیمہ میں علامہ شاعر مشرق کے صحیح مسلک اور ذوق سے اپنے قارئین کو اپنی کوتاہ علمی مدنظر رکھتے ہوئے آگاہ کرنے کی کوشش کروں۔

کیونکہ بقول مرشد اقبالؒ ؎

ہر کسے از ظنِ خود شد یار من
وز درون من نہ جست اسرار من ۳

خیر میں پروفیسر رشید احمد صدیقی صاحب کے اس جملے سے کسی حد تک اتفاق رکھتا ہوں کہ "اقبال کا کلام ہمارے لئے اس صدی کا علم کلام ہے"۴ اس جملے کی تائید علامہ شاعر مشرق کے ان فارسی اشعار سے بھی ہوتی ہے۔ علامہ فرماتے ہیں ؎

ز اجتہاد عالمانِ کم نظر
اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر
راہ آبا رو کہ ایں بیعت است
معنی تقلید ضبط ملت است
اے امانت دارِ تہذیبِ کہن
پشتِ پا بر مسلک آبا مزن

لہٰذا اقبال نے وہی اذان لگائی جو اذان ہمارے اسلاف صدیوں سے دیتے چلے آرہے ہیں لیکن میرے نزدیک فرق صرف اتنا ہی ہے کہ ہمارے اسلاف نے اپنے اپنے ایام میں فریضۂ اذان یا دعوت تامہ کے منصب کو سنبھالا اور اقبال نے اپنے زمانے میں اس منصب کو سنبھالا اور اس فریضہ کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا۔

لہٰذا اقبال کو سمجھنے کے لئے ایک طالب علم کے پاس کلامی ذہن، عارفانہ ذوق اور فاضلانہ صلاحیت کا ہونا ضروری ہے۔ ان تین چیزوں کے بغیر جو لوگ اقبال کا کلام پڑھیں گے وہ کلام اقبال کے

بحرِ بے کراں میں غوطہ زنی نہیں کر سکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبالؒ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ میرے جوانوں کو میرا سوز جگر، عشق و نظر، آہ سحر، بال و پر اور نور بصیرت عطا فرما۔ کیونکہ عصر حاضر کے مکر سے بچنے کے لئے اقبالؒ کے کلام کا شناسا ہونا داعیان حق کے لئے وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ مگر اقبالؒ کے کلام کو سمجھنے کے لئے مذکورہ بالا اوصاف مقدمہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور مثل مشہور ہے کہ مقدمہ واجب کا واجب ہوتا ہے۔ اقبال کی فریاد بہ درگاہ رب العباد مرقوم ہے۔

جوانوں کو مری آہ سحر دے
تو ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نور بصیرت عام کردے
جوانوں کو سوز جگر بخشدے
میرا عشق میری نظر بخش دے

یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال کے کلام کے ایک عظیم شارح پروفیسر

سلیم چستی صاحب شرح اسرار خودی میں علامہ اقبالؒ کا بعض کلام سمجھنے کیلئے روحانی حس یا بالفاظ دیگر نور بصیرت کو ضروری سمجھتے ہیں۔ میں اسی کے الفاظ اس جگہ من وعن نقل کرنا زیادہ موزون سمجھتا ہوں تاکہ بات زیادہ منقح ہو جائے۔ پروفیسر صاحب لکھتے ہیں!

''بعض باتیں (اقبال کی) ایسی ہیں کہ انہیں لفظوں کے ذریعے بیان کر سکتے۔ لیکن عمل سے ان کا ثبوت ملتا ہے مثلاً حیات، خودی، ادراک اور زمان۔ ان حقائق کی حقیقت لفظوں میں بیان نہیں کی جاسکتی۔ آپ اگر چاہیں کہ ایک بہرہ آدمی موسیقی کی لذت سے بہرہ اندوز ہو سکے تو یہ ممکن نہیں کیونکہ موسیقی کا تعلق سماعت سے ہے اور بہرہ آدمی سماعت سے محروم ہے۔ ٹھیک اسی طرح حیات، خودی، ادراک، زمان اور خدا کی حقیقت سے بہرہ اندوز ہونے کے لئے روحانی حس کی ضرورت ہے اور چونکہ عقل کا مدار ہو اس جسمانی پر ہے اس لئے مجرد عقل کا ادراک نہیں کر سکتی یہ حقائق کے دست رس سے بالاتر ہے۔ بڑی غلطی تعلیم یافتہ طبقہ کو یہ لگی ہوئی ہے کہ وہ روحانی حقائق کا ادراک مادی آلات کے واسطے

کرنا چاہتا ہے حالانکہ غور سے دیکھا جائے تو یہ کوشش ایسی ہی ہے جیسے بنیے کی ترازو میں آواز یا روشنی کو تولنا اور فیتہ لے کر ہوا کو ناپنا بلکہ یوں سمجھئے کہ گلاب کی خوشبو محسوس کرنے کے لئے اسے کان یا زبان پر رکھنا اور فونوگراف کی نلکی کو ناک میں لگانا۔

جب ایک شخص یہ پڑھتا ہے کہ حضرت علیؓ جب بایاں پاؤں رکاب میں رکھتے تھے ''الحمد'' سے قرآن کی تلاوت کرتے تھے اور جب دایاں پاؤں رکاب میں ڈالتے تھے تو ''والناس'' تک پہنچ جاتے تھے تو وہ حیران رہ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک منٹ میں ایک انسان ساٹھ ہزار سے زاید الفاظ زبان سے ادا کر سکے؟ اس کے لئے تو کم از کم ۶۰ x ۱۲ = ۷۲۰ (منٹ) درکار ہیں۔ اس کا جواب صوفیاء کی زبان سے یہ ہے کہ (حضرت) علیؓ کے مقام پر پہنچ جاؤ تو تم بھی ایسا کر سکو گے اور اقبال

کی زبان سے یہ ہے کہ ؎

نغمہ خاموش دارد ساز وقت

غوطہ در دل زن کہ بینی راز وقت ٭

٭ یعنی طے زمان کا راز (طے زمان، طے مکان اور طے حروف تصوف اسلامی کی اصطلاحیں ہیں۔ جن کو سمجھنے کے لئے یا تو تصوف کی مشہور کتابیں دیکھنے کی ضرورت ہے یا وقت کے مشہور و مستند اکابر صوفیاء کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرنے کی ضرورت ہے فاسئلوا اھل الذکران کنتم لا تعلمون ۔ حضرت علیؓ کے مذکورہ بالا واقعہ، حضرت عمرؓ کا "یا ساریۃ الجبل" اور معراج نبی کریم ﷺ جیسے واقعات طالبین کو اس بارے میں مطمئن کر سکتے ہیں۔

حضرت علامہ شاعر مشرق کے مرشد اسی کو اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

قال مرداں را نمی فہمی تو نیز
حال مرداں را کجا داری تمیز
تا نیفتد بر تواز مردے نظر
از وجودے خود کجا یابی نظر
فلسفی گشتی و آگاہ نیستی
تو کجا و از کجا و کیستی
عقل دیگر بخشش یزداں بود
چشمہ او درمیان جان بود
ناقۂ جسم ولی را بندہ باش
تا شوی با روح صالح خواجہ تاش

(مثنوی مولانا روم)

خلاصہ اس تمام تر بحث کا یہ ہے کہ علامہ اقبال کا کلام سمجھنے کے لئے ایک خاص قسم کی روحانی صلاحیت درکار ہے۔ کیونکہ علامہ اقبالؒ کے کلام میں اگرچہ نغمگی ہے لیکن اسے کوئی شعری کارنامہ انجام دینے

کا شوق کبھی نہیں تھا وہ خود کہتے ہیں ۔

مجھے خبر نہیں یہ شاعری ہے یا کچھ اور
عطا ہوا ہے مجھ کو ذکر و فکر و جذب و سرور

شاعر اپنے رشحات اور شعری کوشش سے کبھی بے خبر نہیں ہوتا لیکن اقبال اپنی بے خبری کا اعتراف کرتے ہیں کیونکہ اُسے شعر لکھنے کا ارادہ نہیں ہوتا ہے۔ اس کا کلام وہبی تھا یہی وجہ ہے کہ جب وہ تذکر اور تفکر میں مست ہو جاتا ہے تو اس کے چشمۂ دل سے ندیاں پھوٹتی ہیں۔ جس میں اسی درجہ کی شدت ہوتی ہے جس درجہ اس کا دل متاثر اور مستغرق ہوا ہوتا ہے اس بات کا اعتراف علامہ خود بھی کرتے ہیں:

"جب شعر کہنے کی کیفیت مجھ پر طاری ہوتی ہے تو یہ سمجھ لو کہ ایک ماہی گیر نے مچھلیاں پکڑنے کے لئے جال ڈالا ہے۔ مچھلیاں اس کثرت سے جال کی طرف چلی آ رہی ہیں کہ ماہی گیر پریشان ہو گیا، سوچتا ہے کہ اتنی مچھلیوں میں سے کسے پکڑوں اور کسے چھوڑوں"۔۔۔ یہ کیفیت مجھ پر سال بھر میں زیادہ سے زیادہ دو

بار ہوتی ہے۔ لیکن فیضان کا یہ عالم کئی کئی گھنٹے رہتا ہے اور میں بے تکلفی سے شعر کہتا جاتا ہوں۔۔۔ جب یہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے تو میں ایک قسم کی تکان، عصبی اضمحلال اور پژمردگی محسوس کرتا ہوں"۔[۲]

اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے اقبال کا کلام منظوم مصنوعی یا کسبی کلام نہیں ہے بلکہ فیضانی یا وہبی کلام ہے۔ اس کلام کا ورود ان کے دل پر اسی وقت ہوتا ہے جب ان پر ایک خاص قسم کی وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ان کے کلام سے وہی لوگ لطف اندوز ہو سکتے ہیں جو ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ روحانی سرمایہ بھی رکھتے ہوں کیونکہ علامہ کے نزدیک مسلمان کا علم اسی وقت کامل ہو جاتا ہے جب اس کے پاس سوز دل ہو اور جو علم سوز دل پیدا کرنے میں مددگار ثابت ہو وہی اس کے نزدیک علم ہے۔ دانش حاضر (یعنی وہ عصری علوم جن کی بنیاد صرف اور صرف مادیت پر ہے) کو وہ بت پرست، بت فروش اور بت گر قرار دے کر سوز دل والے علم یا علم قلب کے لئے حجاب اکبر تصور کرتے ہیں لہٰذا عاشقوں کو ایسی دانش

کافری سے متنبہ کرتے ہیں کیونکہ اس سے حق کی کیفیت کا میسر ہونا بہت محال ہے۔

علم مسلم کامل از سوز دل است
معنی اسلام ترک آفل است
سوز عشق از دانش حاضر مجوئے
کیف حق ارجام ایں کافر مجوئے
دانش حاضر حجاب اکبر است
بت پرست و بت فروش و بت گر است

یہی وجہ ہے کہ علامہ عصر حاضر کے مکتبوں سے نالاں نظر آرہے ہیں کیونکہ بقول علامہؒ ان مکتبوں سے تعلیم پانے والے نوجوان اپنے مقصود سے آگاہ نہیں ہیں۔ ان مکتبوں میں جو علم پڑھایا جاتا ہے وہ تن کی پرورش کے لئے مخصوص ہے۔ بقول اقبالؒ

وہ علم نہیں زہر ہے احرار کے حق میں
جس علم کا حاصل ہے فقط دو کف جو

بقول مرشد رومیؒ علم تن (فنون کا علم) آدمی کو سانپ کی طرح

ڈس لیتا ہے اور علم قلب ہی آدمی کا یار ہے۔

علم را بر دل زنے یارے بود
علم را بر تن زنے مارے بود

اسی لئے علامہؒ اس علم کے حصول پر زور دیتے ہیں جو پہلے حواس سے حاصل کیا جاتا ہے پھر ترقی کرتے کرتے سالک کو حضوری کی دولت سے نوازتا ہے۔ علم حضوری ایک ایسا علم ہے جس کی ابتداء شعور یعنی عقل کی انتہا سے شروع ہوتی ہے لہٰذا بقول اقبالؒ یہ علم شعور میں نہیں سما سکتا ہے۔ اقبال فرماتے ہیں۔

علم حق اول حواس آخر حضور
آخر او می نگنجد در شعور

جب انسان علم حضوری کے عالم میں داخل ہو جاتا ہے تو اب اہلیان ہنر اس کے اشکالات کو حل نہیں کر سکتے ہیں۔ لہٰذا اس کو کسی صاحب نظر کے سامنے زانوئے ادب تہہ کر کے بیٹھنا ہے جو اس پر توجہ کر کے اسے فیضیاب کرے۔ بقول اقبالؒ

صد کتاب آموزی از اہل ہنر
خوشتر آں درسے کہ گیری از نظر
ہر کسے زاں مے کہ ریزد از نظر
مست میگردد بانداز دگر

لیکن ہر طالب اپنی اپنی طلب کے بقدر نظر کے فیض سے فیضیاب ہوسکتا ہے۔ جس کے اندر جتنی طلب یا ظرف ہوگا وہ اتنا ہی فیض حاصل کرسکتا ہے۔ چونکہ علامہ کے نزدیک دین کا مقصد مشاہدہ ذات حق کے لذت سے مالامال ہونا ہے لہٰذا اس کے لئے ادب سرنامہ کی حیثیت رکھتا ہے اور یہی مسلک علامہ اشرف علی تھانویؒ کا بھی ہے وہ فرماتے ہیں:

''طالب طریق تصوف کو چاہئے کہ ادب ظاہری و باطنی کو نگاہ میں رکھے۔۔۔ حسن ادب ظاہر سرنامۂ ادب باطن ہے اور حسن ادب ترجمان عقل ہے بلکہ التصوف کلہٗ ادبٌ'' ؎

علامہ کا کلام موزون اس ضمن میں اس طرح ہے ۔

دین سراپا سوختن اندر طلب
انتہایش عشق و آغازش ادب

اسی طرح علامہ اہلیان نظر کے فیض سے فیضیاب ہونے کیلئے ان کے حضور ضبط سخن کو ضروری قرار دیتے ہیں یا بالفاظ دیگر صاحب حال کے حال سے استفادہ کرنے کیلئے قیل وقال کا دروازہ بند رکھنے کا مشورہ دیتے ہیں ۔

فیض نظر کے لئے ضبط سخن چاہئے
حرف پریشان نہ کہہ اہل نظر کے حضور

لہٰذا علامہ شاعر مشرقؒ بوساطت فرزند ارجمند جاوید اقبال تمام نوجوانان ملت کو نصیحت کرتے ہیں کہ دین کا سر جاننے کے لئے پہلے اپنے اندر وہ روحانی استعداد پیدا کریں جس سے روحانی وجود رقص میں آتا ہے تو پھر دین اسلام اور اکابرین اسلام کے وہ نقطے جو معرفت اور طریقت سے تعلق رکھتے ہیں سمجھ میں آئیں گے ۔لیکن علامہ کہتے ہیں کہ روح کا رقص مرشد و پیر کامل کے بغیر نصیب نہیں ہو جاتا ہے ۔لہٰذا کسی

راہ طریقت سے بابا خبر مرد خبیر (راہ حق کا شناسا) کی صحبت تلاش کرو۔ اور بفرض محال اگر وہ مرد خبیر آپ کو میسر نہیں ہوتا ہے تو پھر میری یہ نصیحت یاد رکھو کہ اپنے اسلاف طریقت سے جو کچھ میں نے حاصل کیا وہ مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور اس کے مطابق عمل کرو *۔ جس طرح میں نے حضرت جلال الدین بخی رومیؒ کو رفیق راہ بنا دیا۔ اس طرح تم بھی اس کو رفیق راہ بناؤ تا کہ خدا اس کے

خاص اسی قسم کا مشورہ حضرت علامہ تھانویؒ بھی اپنے معتقدین کو دیتے ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں "گو مجھ سے کوئی (میرا معتقد) بیعت نہ ہو لیکن عقیدت کے ساتھ میری کتابیں لے کر کونے میں بیٹھ جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ واصل الی المقصود ہو جائے گا" (از مآثر حکیم الامت معہ افادات عارفیہ ص ۱۸۱)

روحانی فیض سے تم کو فیضیاب کرے۔ کیونکہ حضرت رومیؒ وہ مرد حق اور راہ طریقت کا امام ہے جس نے مغز کو چھلکے سے الگ کیا کیونکہ وہ محرم اسرار دوست ہے اور حق و باطل میں تمیز کرنا جانتا ہے۔ اس کی تعلیم سے روح میں رقص کرنے یعنی فوق العقل باتیں سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی اور بالآخر آپ کو علم و حکمت ہاتھ آئے گی اور وہی از روئے قرآن خیر کثیر ہیں۔ ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا ط (القرآن) ۔ روح کے رقص سے جذب کلیم الٰہی حاصل ہو جائے گی (جس کی وضاحت صدق خلیلؑ میں ہے) مزید برآں اس رقص سے آدمی میں فیض نبوت حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ روح کا رقص غیر حق کو جلانا ہے اور غیر حق کو جلانے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دل کا تزکیہ یعنی دنیاوی آلائشوں سے صاف کرنا۔ بقول نظامیؒ ۔

ایں عشق حقیقی و عرض نیست
آلودہ بہ شہوت و غرض نیست ۸

الغرض اگر تم کو روح کا رقص نصیب ہوا (یہ خطاب جاوید اقبال کو ہے) تو پھر میں تمہیں دین مصطفےٰ ﷺ کا راز بتاؤں گا۔ اور میں قبر میں بھی آپ کے لئے دعا گو رہوں گا۔ علامہؒ کا کلام موزوں ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کو پیش نظر رکھتے ہوئے پیش خدمت ہے ۔

تو مگر ذوق طلب از کف مدہ
گر چہ در کار تو افتند صد گرہ
گر نیابی صحبت مرد خبیر
از اب و جد آنچہ من دارم بگیر !
پیر رومی را رفیق راہ ساز
تا خدا بخشد ترا سوز و گداز
زآنکہ رومیؒ مغز را داند ز پوست
پائے او محکم فتد در کوئے دوست
رقص تن از حرف او آموختند

جسم را از رقص جاں بر دوختند !
رقص جاں بر ہم زند افلاک را !
علم و حکم از رقص جان آید بدست
ہم زمیں ہم آسمان آید بدست !
فرد از وے صاحب جذب کلیم!
ملت از وے وارث ملک عظیم *
رقص جان آموختن کارے بود
غیر حق را سوختن کارے بود
تا ز نار حرص و غم سوزد جگر
جان بہ رقص اندر نیابد اے پسر

*

صوفیاء انسان کو عالم اکبر کہتے ہیں اور انسان کے اندرون کا عالم ان کے نزدیک ملک عظیم ہے۔

اے مرا تسکین جانِ نا شکیب
تو اگر از رقص جان گیری نصیب
سرِّ دینِ مصطفیٰؐ گویم ترا
ہم بہ قبر اندر دعا گویم ترا

لہٰذا اقبالیات کے طالب علموں اور اقبالؒ کے معتقدوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ سلوک کے مشہور و مستند سلسلوں میں سے کسی ایک سلسلے میں بیعت ہو جائیں تا کہ ان کو روح کا رقص نصیب ہو جائیں۔ اپنے زمانے کے مشائخ اور علماء سے بے نیاز ہونے کے بجائے علامہؒ کا مسلک اپناتے ہوئے ان سے استفادہ کرنے میں بخل سے کام نہ لیں کیونکہ ''اقبالؒ ایک تو سلسلہ قادریہ میں مرید تھے''[۹] اور دوسرے انہوں نے اپنے معاصر علماء اور فقہاء سے کافی استفادہ کیا ہے۔ جس کا قارئین کو '' اقبال کے ممدوح علماء'' نامی کتاب پڑھ کر بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔ الغرض شاعر مشرقؒ کے نزدیک ''اسلام نام ہے علمائے باعمل کی صحبت کا ''اللہ تعالیٰ ہم کو علماء ربانی کی صحبت اور علم سے استفادہ کرنے

کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مراد ما نصیحت بود و کردیم
حوالت با خدا کردیم و رفتیم

(ایک مشورہ)

مقالات اقبال میں خواجہ حسن نظامی کے نام ایک جگہ اقبالؒ یوں رقمطراز ہے کہ ''حضرت! میں نے مولانا جلال الدین رومیؒ کی مثنوی کو بیداری میں پڑھا ہے اور بار بار پڑھا ہے۔ آپ نے شاید اسے سکر کی حالت میں پڑھا ہے کہ اس میں آپ کو وحدۃ الوجود نظر آتا ہے۔ مولوی اشرف علی تھانویؒ سے پوچھئے وہ اس کی تفسیر کس طرح کرتے ہیں۔ میں اس بارے میں انہی کا مقلد ہوں''[۹] اس عبارت کے سیاق وسباق سے کچھ اہم نقطے مستفاد ہوتے ہیں کہ حضرت علامہؒ مثنوی شریف کا مطالعہ بار بار کرتے تھے۔ حضرت علامہ کی نظروں سے مولانا اشرف علی تھانویؒ کی مثنوی کی شرح ''کلید مثنوی'' ضرور گذری ہوگی کیونکہ بحیثیت محقق وہ بن دیکھے خواجہ حسن نظامی صاحب کو تھانوی صاحب سے تفسیر پوچھنے کی صلاح نہیں دیتے۔ آخری جملہ کہ ''میں اس بارے میں ان ہی کا مقلد ہوں'' سے یہ بات اظہر من الشمس ہوتی ہے کہ وحدۃ الوجود جیسے دقیق مسائل میں حضرت علامہ اقبالؒ کو مولانا اشرف علی تھانویؒ پر کافی اعتماد تھا۔ یہی توجہ

ہے کہ اس بارے میں ان کو اپنا امام تصور کرتے ہیں اور خود کو ان کا مقلد۔

لہٰذا جس طرح مثنوی کے دقیق اور فوق العقل مسائل میں حضرت علامہ اقبالؒ اپنے معاصر مشائخ کی طرف رجوع کرنے میں نہیں کتراتے تھے اور ان سے بھرپور استفادہ کرتے تھے۔ اسی طرح اقبال کے محبین کو مثنوی کی معقول اور مستند شرحیں جو علماء ربانی تصنیف کر چکے ہیں کو زیر مطالعہ رکھنا چاہئے تاکہ وہ مولانا رومؒ کے عارفانہ نقطوں کو قرآن وحدیث کی روشنی میں سمجھ سکیں اور پھر اسی بصیرت کی بنیاد پر علامہ اقبالؒ یعنی پیر رومؒ کے ہندی مریدؒ کو بھی۔ انشاءاللہ

(اللھم انی اسئالك حبك و حب من یحبك و حب عملٍ یقرب الی حبك)

(حوالے)

نمبر شمار	حوالہ
۱	عرفان اقبالؒ اور افادات نیازی از صاحبزادہ بشیر مخفی القادری علمی صفحہ نمبر ۴۲ اور ۴۳۔ اشاعت ۱۹۷۵ مطبوعہ کوہ نور پریس دہلی ناشر چمن بک ڈپو دہلی۔
۲	عرفان اقبالؒ حصہ افادات نیازی صفحہ نمبر ۲۹۵
۳	مثنوی مولانائے رومؒ جلد اول صفحہ نمبر ۳۱
۴	بحوالہ نقوش اقبالؒ صفحہ نمبر ۲۳ در مقدمہ از پروفیسر عبدالرشید صدیقی
۵	عرفان اقبال ۲۸
۶	اقبالؒ ایک تجزیہ از ڈاکٹر بشیر احمد نحوی صفحہ نمبر ۸
۷	مآثر حکیم الامت مع افادات عارفیہ صفحہ نمبر ۱۸۱
۸	احساس مول ترجمہ ارزش احساسات در زندگانی ہنر پیشگان از نیم یونج صفح نمبر ۳۱
۹	عرفان اقبال صفحہ نمبر ۶۸
۱۰	مکتوب بنام شبیر بخاری صحیفہ اکتوبر ۱۹۷۳ء بحوالہ اقبالؒ کے ممدوح علماء از قاضی افضل حق قریشی صفحہ نمبر ۱۳۱ اشاعت ۲۶ جنوری ۲۰۰۸ء ناشر مکتبۃ الحق ماڈرن ڈیری جوگیشوری (ممبئی ہندوستان)

مراجع الکتب

نمبر شمار	نام	نام مصنف	پبلشر
۱	بال جبریل مع شرح	پروفیسر یوسف سلیم چشتی	اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس نئی دہلی
۲	شعر اقبال اور تصوف	سید عاصم علی	یونیورسل بک ہاؤس علی گڑھ
۳	تاریخ ساز جوانیاں	محمد جاوید خالد	اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی
۴	اسلامی تفکر کی تشکیل جدید	علامہ اقبالؒ	آدم پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز نئی دہلی
۵	علامہ اقبال اور ہم	ڈاکٹر اسرار احمد	اریب پبلیکیشنز نئی دہلی
۶	ضرب کلیم مع متن و شرح	از علامہ اقبال شارح اسرار زیدی	اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی
۷	اقبال اور محبت رسول ﷺ	ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی	---ایضاً---
۸	پیام اقبال بنام نوجوان ملت	سید قاسم محمود	اریب پبلیکیشنز نئی دہلی

نمبر شمار	نام	نام مصنف	پبلشر
۹	ختم نبوت مع تمہید	از علامہ اقبال تمہید عبدالرحمن کوندو	جموں اینڈ کشمیر اسلامک ریسرچ سینٹر سرینگر
۱۰	ارمغان حجاز (مترجم منظوم)	از علامہ اقبال مترجم عبدالرحمن کوندو	زیر اہتمام مسلم احمد نظامی کتب خانہ نذیریہ مسلم منزل کھاری باولی دہلی
۱۱	نقوش اقبال ترجمہ روائع اقبال	مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ مترجم مولوی شمس تبریز خان	مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ
۱۲	اقبال ایک تجزیہ	ڈاکٹر بشیر احمد نحوی	اقبال انسٹی ٹیوٹ، کشمیر یونیورسٹی سرینگر
۱۳	کلیات اقبال	اقبال	....

ثانوی مراجع

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف/مرتب	پبلشرز
۱	مثنوی مولانائے روم مترجم	مولانا رومی مترجم مولانا قاضی سجاد حسین	سب رنگ کتاب گھر دہلی
۲	قرآن اور تصوف	ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب	ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی
۳	معارف مثنوی	شاہ محمد اختر صاحب	مکتبہ اشرفیہ ہردوئی
۴	اردو دستور السالکین یعنی متاع نور	بابا داؤد خاکی مترجم ابوالاشرف قاری سیف الدین	مکتبہ علم و ادب سرینگر
۵	خواجہ نقشبند اور طریقہ نقشبندیہ مع حواشی، توضیحات و تعلیقات	پروفیسر ڈاکٹر شمس الدین احمد	شیخ محمد عثمان اینڈ سنز
۶	معیت الٰہیہ	باہتمام نیاز احمد اصلاحی	ادارہ تالیفات اولیاء دیوبند
۷	مجموعہ عطر	ابوالاشرف قاری سیف الدین	--------
۸	قاموس القرآن	قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی	مکتبہ علیہ قاضی منزل میرٹھ
۹	گلستان سعدی	شیخ سعدیؒ	--------
۱۰	سید میر علی ہمدانیؒ	ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر	محل پبلیکیشنز دہلی
۱۱	تفسیر حسینی اردو ترجمہ	ملا حسین واعظ کاشفی مترجم مولوی فخر الدین احمد لکھنوی دار العلم فرنگی محل	ناشر محمد یاقت [illegible] دنیا ادبی منزل دہلی
۱۲	دیوان حافظ	حافظ شیرازی	
۱۳	تفسیر مظہری اردو	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی مترجم مولانا سید عبد الدائم الجلالی	ندوۃ المصنفین
۱۴	ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ	منظور احمد نعمانی	کتب خانہ الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ
۱۵	معرفت الٰہیہ	جناب مولانا حکیم اختر صاحب	کتب خانہ امداد الغرباء
۱۶	فتوح الغیب اردو	حضرت شیخ سید عبد القادر جیلانیؒ	--------
۱۷	حکیم الامت کے حیرت انگیز واقعات	محمد اسحاق ملتانی	فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ
۱۸	سوانح مولانائے رومؒ	مولانا شبلی نعمانیؒ	کتب خانہ عزیزیہ مسلم منزل کھاری بھاولی دہلی
۱۹	روح اسلام مترجم	سید امیر علی مترجم محمد ہادی حسین	کشمیر کتاب گھر ریذیڈنسی روڈ جموں (توی)
۲۰	تذکرہ	ابوالکلام آزاد مرتب مالک رام	ساہتیہ اکیڈمی
۲۱	بیان القرآن	مولانا اشرف علی تھانوی	--------

اغلاط نامہ

صفحہ	سطر	درج شدہ لفظ	تصحیح	حذف شدہ لفظ
۲	۲	بدر	پدر	---
۱۵	۵	ضر	عجز	---
۱۵	۴	شہادت ہم	---	شہادت میں ہم
۱۶	۵	وادم	وادم	---
۱۶	۷	کہنا	کہن	---
۲۰	۲	بیجو	بے جو	---
۲۱	۹	نکتہ	نقطہ	---
۲۷	۱۱	نکتہ	نقطہ	---
۳۲	۱	الااللہ	الی اللہ	---
۳۴	۷	طاعت	اطاعت	---
۳۹	۱۲	طلبکار	طلبگار	---
۴۴	۹	کونکہ	کیونکہ	---
۵۶	۵	چھوڑ	چھوڑ	---
۵۷	۵	ہوسکنا	ہوسکتا	---
۶۳	۱۵	اسرار	اصرار	---
۶۴	۱۰	گدئ	گدائی	---
۶۵	۱۴	کق	کا	---
۷۰	۷	متاشر	متاثر	---
۷۴	۶	وغیرہاوصاف	وغیرہ اوصاف	---
۸۶	۸	مکتبا	مکتبہ	---
۹۰	۸	ریوڈ	ریوڑ	---
۹۱	۱۳	آموختن	آموختم	---
۱۰۵	۸	ہبت	ہیبت	---
۱۱۱	۷	غنی	غنی	---
۱۲۱	۶	کا	کی	---
۱۲۱	۶	علمی	ملی	---
۱۲۷	۱۰،۸	بہرہ	بہرا	---
۱۳۳	۶	ارجام	ازجام	---

باسمہ تعالیٰ

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اقبالؔ صائبؔ کی طرح اس عقیدے کے حامی نہیں تھے کہ ''تصوف برائے شعر گفتن خوب است'' کیونکہ اس کے نزدیک تصوف دو چیزوں سے عبارت ہے ''مشاہدہ حق'' اور ''اخلاص فی العمل''۔ یہی وجہ ہے کہ وہ فوقؔ کو لکھتے ہیں کہ ''اہل اللہ کے حالات نے مجھ پر بڑا اثر کیا۔۔۔ بعض بعض باتوں نے مجھے اتنا رلا دیا کہ میں بے خود ہو گیا''۔ تصوف اور حضرات صوفیاء سے علامہؒ کا اس قدر لگاؤ محض اس لئے تھا کہ اس کا تعلق ''دل'' سے ہے نہ کہ دماغ سے۔ اور میرے نزدیک علامہؒ کی تعلیم و تبلیغ کا خلاصہ دل مسلم کی اصلاح سے عبارت ہے۔ اور از روئے خبر مسلمان کا تعلق بیرونی دنیا سے اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب اس کے دل کا تعلق خالق کائنات کے ساتھ صحیح ہو۔ اسی لئے علامہ ارمغان حجاز میں ایک شیخ کامل کی طرح عصر حاضر کے مسلمان کو ''اے نادان'' پکار کر اسے اپنی مشت خاک میں ''دل آگاہ'' کو تلاش کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔ دل آگاہ سے مراد وہ دل ہے جس کو اپنے معبود کی حقیقی معرفت حاصل ہو۔ کیونکہ معرفت الٰہی کا اصلی محل دل ہے۔ جب دل معرفت حق کا اثر قبول کرتا ہے تو عبد مؤمن دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر صرف اور صرف احکام یعنی اوامر و نواہی حق سے وفا کرنے کی فکر میں لگ جاتا ہے اس میں کمال پیدا کرنے کے بعد یہ ایک دوسرے اعتبار میں جس کو علامہ کی اصطلاح میں خلافت سے تعبیر کیا گیا ہے میں داخل ہو جاتا ہے۔ خلافت کیا ہے؟ یہ ایک سوال ہے علامہؒ اور علامہ کے مرشدؒ کے نزدیک ولایت کا مقدمہ۔۔۔! لیکن خلافت اور ولایت دونوں کا مقدمہ علامہؒ کے نزدیک فقر اور فقر کے بعد والے اعتبار یعنی ''امانت'' ہے۔ اور یہ امانت دو چیزوں کا مرکب ہے

(الف) اسمائے حسنیٰ سے اپنی ذات کو متصف کرنا۔

(ب) احکام یا اوامر و نواہی حق سے وفا۔

اول الذکر کی غایت مخلوق خدا کے ساتھ احسان کرنا ہے کیونکہ مخلوق خدا خدا کا عیال ہے اور بہتر وہ ہے جو مخلوق کے ساتھ احسان کرے۔ اسکا حاصل یہ ہے کہ خدا کی مخلوق خوش ہو جائے اور نتیجہ خلافت۔ آخر الذکر کی غایت ہے خالق کو خوش کرنا۔ حاصل اسکا یہ ہے کہ ہمارا خالق ہم سے خوش ہو جائے اور نتیجہ ہے ولایت

ولایت پادشاہی علم اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہے فقط اک نقطۂ ایمان کی تفسیریں

چوں فنا اندر رضائے حق شود
بندۂ مؤمن قضائے حق شود
ع فقر قرآن اصل شہنشاہی است

خیر یہ ایک طویل، دلچسپ اور غور طلب موضوع ہے۔ اسی موضوع پر احقر نے اپنی کتاب ''اقبال اور تصور عبدیت'' میں کماحقہٗ روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے اس کے ساتھ کس حد تک انصاف کیا ہے؟ یہ ایک سوال ہے جس کا جواب اس کتاب کو مطالعہ کرنے کے بعد آپ ہی زیادہ اچھے طریقے سے دے سکتے ہیں۔

جہاں تک میری اس کاوش کا تعلق ہے میں صدر شعبۂ اقبالیات استاذی ڈاکٹر بشیر احمد نحوی صاحب کا زیر احسان ہوں کہ انہوں نے بار ہا باریک نقطوں میں انتہائی باریک بینی کے ساتھ میری رہبری کی۔ اس کے ساتھ ساتھ شاہ ہمدان انسٹچیوٹ آف اسلامک اسٹیڈیز کے اپنے تمام اساتذہ کا گرد نعل ہوں جنہوں نے PUBLISH OR PERISH کہہ کر میرے تحقیقی جذبے کو جلاء بخشی۔ اپنے والد صاحب (رسالہ راہ نجات کے سرپرست اعلیٰ) کو کیسے بھولوں کہ انھوں نے مجھے اپنی آغوش علم و معرفت میں پال کر اس قابل بنا دیا کہ میں بڑی آسانی کے ساتھ علماء اور دانشوروں کی تعلیمات سے استفادہ کر سکتا ہوں۔ مفتی اعظم بارہمولہ حضرت ابن عبدالولی مولانا عبدالرحیم الحسنی کا شکریہ ادا کرنا اخلاقی ذمہ داری سمجھتا ہوں جنہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اپنی فقیہانہ بصیرت کے ساتھ اس کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ فرما کر اپنی تائید سے نوازا۔ شبیر احمد صاحب میزان پبلشرز کے مالک کو بھولنا ناسپاسی ہوگی جنہوں نے اس مقالے کو ہاتھوں ہاتھ لیکر اسے منظر عام پر لانے میں انتہائی جلدی کی۔ آخر میں دعا ہے کہ خدا ان تمام احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں اس مقالے کی تحقیق، تدوین اور تشہیر میں میری مدد کی۔ خدا اس مقالے کو شرف قبول سے نوازے۔ آمین

سالک بلال احمد
ساکنہ فتحگڈہ بارہ مولہ کشمیر

IQBAL INSTITUTE OF CULTURE & PHILOSOPHY
UNIVERSITY OF KASHMIR SRINAGAR

(NAAC Accredited grade "A")

IQBAL DAY/ BOOK RELEASE CEREMONY

Iqbal Institute University of Kashmir is organizing "Iqbal-Day" on 15/11/2011 at 10:00 A.M sharp in the conference hall of Gandhi Bhawan. Noted scholars and academicians will participate in the deliberations of the day. Three books on Iqbal studies will be released by the Vice-Chancellor of the University of Kashmir Prof. Talat Ahmad. The Vice-Chancellor of the Central University Kashmir Prof. Abdul Wahid and Iqbalian scholar from Delhi Prof. Abdul Haq will be the Chief Guests on the occasion.

Iqbal-lovers are requested to attend the function.

Sd/- Prof. B.A.Nahvi Director

Greater Kashmir Sunday